نوشین فیاض

چاند کی اوٹ سے

یہ ٹھیک ہے کہ محبت ایک معجزہ ہے لیکن ایسی محبت وہ بھی اس دور میں؟؟؟... ہوتی ہے... آج بھی ہوتی ہے۔ وہاں جہاں گزرے زمانوں کی روایتیں آج بھی زندہ ہیں۔ جہاں کے دن اتنے طویل ہیں کہ سارے کام نمٹا کر بھی اتنا وقت ہوتا ہے کہ گلی محلے کی عورتیں ایک دوسرے کے لیے ساگ میتھی بنانے کی خاطر مل بیٹھتی ہیں۔ جہاں ہر سہ پہر جامن کے پیڑ تلے سپارا پڑھنے کے لیے بچے قطار در قطار بیٹھے ہوتے ہیں۔ جہاں گھر کے بڑے بزرگوں کی ڈانٹ کو بے عزتی نہیں سمجھا جاتا۔ جہاں کی لڑکیاں آج بھی سر پہ دوپٹے کو عزت سمجھتی ہیں اور جہاں صبح حیدر اپنے ملین ڈالر ہارٹ کے ساتھ بستا ہے۔ لیکن اس ملین ڈالر ہارٹ والے کے پاس ملین ڈالر تو کیا ملین پاکستانی نوٹ بھی نہیں۔

اگر اس کے پاس کچھ تھا تو وہ تھی تین بہنوں کی ذمہ داری۔ وہ بھی صرف کھلانے پلانے، پڑھانے یا بیاہنے کی ہی نہیں بلکہ انہیں خوش رکھنے کی بھی۔ تب ہی تو اماں کے ساتھ ساتھ بہنیں بھی سر کے دوپٹے ہاتھوں پر پھیلا پھیلا کر اس کے لیے دعائیں کرتی نہیں تھکتی تھیں۔

وہ بہنوں کا مان تھا تو ماں کے کلیجے کی ٹھنڈک اور باپ کا بازو۔ ابا کا سبزی کا ٹھیلا اٹھوا کر اس نے گھر کی بیٹھک میں پرچون کی دوکان ڈلوا دی تھی کہ

مکمل ناول

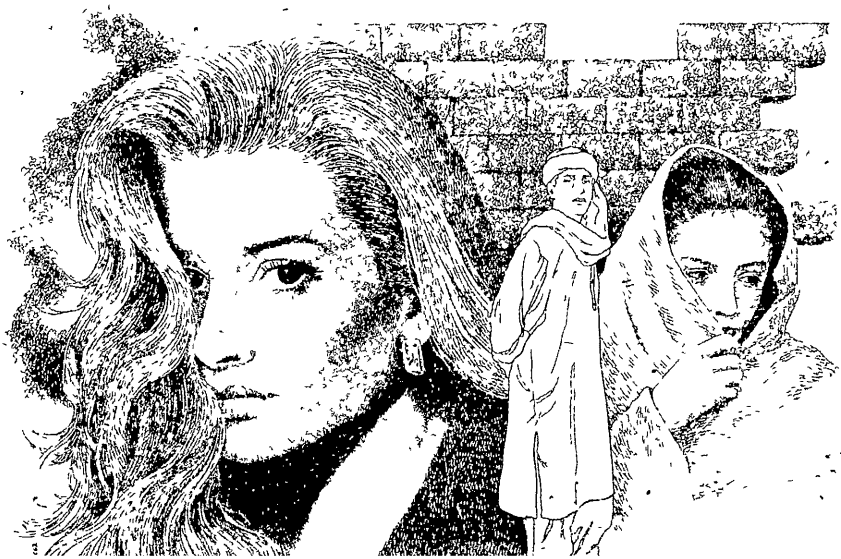

www.zemtime.com

www.zemtime.com

ابا پر کام کا بوجھ بھی نہ ہوا اور دل بھی لگا رہے گھر کے خرچے کا بوجھ کندھوں پر لیے اس نے بی کام کی ڈگری اٹھا کر اماں کے جہیز کے سال خوردہ ٹرنک میں زرتار کپڑوں کے سب سے نیچے رکھ دی تھی۔ اب بھلا کب تک وہ اس ڈگری کو ہاتھوں میں لیے نوکری کے لیے در در بھٹکتا پھرتا۔ اب وہ قسطوں پر لیا ہوا رکشہ چلاتا تھا اور اس رکشے کے ساتھ ان سب کی زندگی کی گاڑی چلتی تھی۔

سانولی رنگت کے ساتھ مناسب قد کاٹھ اور آنکھوں میں حیا والا فصیح دیکھنے میں اتنا خاص کہ اگر دل کی خواہش مچل کر زبان پر آجائے تو ایک بار تو آسمان والا بھی چاند اٹھا کر اس کے کمرے کی کھڑکی پہ رکھ دے۔ جس شخص کے لیے معجزہ ہو جائے وہ عام تو نہیں ہو سکتا ناں؟

☆☆☆

دن کے پہلے پہر بارش ہونے کے بعد دھوپ بھی اچھی تھی۔ جس کی وجہ سے شام میں مال روڈ کی بتیاں معمول سے زیادہ روشن نظر آرہی تھیں۔ ہر منظر نکھرا ہوا شفاف تھا۔ یہ اس کی آج کی آخری سواری تھی۔ اس کے بعد اگر کوئی اسے بڑی سے بڑی رقم کی پیشکش بھی کرتا تو وہ لالچ میں آئے بغیر گھر جانے کو ترجیح دیتا۔ یہ اس کا اپنا بنایا ہوا اصول تھا۔ وہ اگر تڑکے اٹھ کر رکشہ نکالتا تھا تو شام ڈھلتے ہی گھر لوٹ بھی تھا۔ یہ اس کی قناعت ہی تھی کہ جہاں دوسرے رکشہ ڈرائیور روتے نظر آتے تھے وہیں وہ شکر ادا کرتے نہیں تھکتا تھا۔

مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے سواری کو اس کی مطلوبہ منزل پر پہنچا کر وہ اس کے دیے گئے پیسے گنتی کر رہا تھا۔ اچانک کوئی عجلت میں آکر اس کے رکشے میں چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے گردن پیچھے گھما کر دیکھا۔ سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی وہ کوئی خاتون تھی۔ تذبذب کے عالم میں اس نے پیسے جیب میں ڈالے اور اس خاتون کی طرف متوجہ ہوا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ آخری سواری آخری نہیں ہوئی تھی۔

"چلیں۔" نسوانی ملائم آواز پر اس نے رکشہ اسٹارٹ کیا۔

وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اب وہ کہیں نہیں جانا چاہتا۔ اسے اب گھر جانا ہے جہاں اس کے گھر والے اس کے منتظر تھے۔ اس کے باوجود اس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک تو وہ عورت ذات پھر وہ تھی اکیلی اور رات کا پہلا پہر۔ جانے کس ہنگامی صورت حال سے واسطہ پڑا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" سڑک پر نظر جماتے اس نے پوچھا۔

"آپ میری تھوڑی مدد کر دیں گے؟" آواز کی لرزش پر اس نے پہلے غور نہیں کیا تھا یا شاید اب مدد کا پوچھتے اس کی آواز کانپی تھی۔

"کر سکا تو ضرور۔"

"میں۔۔۔ خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔ کسی ایسی جگہ چھوڑ دیں جہاں سکون سے مر سکوں۔"

وہ بے ساختہ مسکرایا۔ اس کی یہ مسکراہٹ طنزیہ یا مذاق اڑاتی ہوئی نہیں تھی بلکہ یہ تو ایک سادہ سی مسکراہٹ تھی۔ جیسے کسی بچے کی معصومیت پر بے ساختہ ہنسی آجائے۔

"خودکشی حرام ہے اور سکون تو حرام کے ایک نوالے کے بعد زندگی میں نہیں رہتا اور آپ حرام موت مرنا چاہتی ہیں۔ وہ بھی سکون سے۔"

"زندگی کا لمحہ لمحہ حرام کر کے جینے سے بہتر چند لمحوں میں تمام مشکلیں آسان کر دینے والی موت نہیں؟"

فصیح جان گیا تھا یہ سوال نہیں ہے۔ وہ شاید رونے لگی تھی۔ ہوا بھی اس کی آواز جیسی بھیگی ہوئی تھی۔ اس نے کبھی خواتین سواری کی طرف ایک سے دوسری بار نہیں دیکھا تھا مگر آج کے دن اس نے اپنا دوسرا اصول اس لڑکی کے لیے توڑا تھا۔ اس نے شیشے میں پیچھے دیکھا۔ اس لڑکی نے نقاب کے ساتھ اپنی آنکھیں تک چھپا رکھی تھیں۔ ایک تو نا کافی روشنی اور دوسرا اس کا کسا ہوا نقاب۔ وہ کچھ دیکھ کر اندازہ نہیں

www.zemtime.com

کر پایا۔

"میرا ماننا ہے۔ موت تو حلال بھی زندگی سے بہتر نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن ایک عورت کے لیے موت حلال ہو جاتی ہے جب بات اس کی عزت پر آ جائے۔"

اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً خاموش ہو گئی تھی۔

رات گہری اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں تک سائلنسر لگے رکشے کے باہر ٹریفک کا شور سنائی دیتا رہا۔ وہ دونوں چپ تھے۔

"آپ میرے گھر چلیں گی؟" اس نے سوچ بچار میں وقت نہیں گنوایا تھا۔ "میرے گھر میں میرے ابا، اماں اور تین بہنیں بھی ہیں۔ آپ کو اور کچھ دے سکیں یا نہ عزت دے سکیں ضرور دیں گے۔" اس نے اپنی بات کی وضاحت دی کہ کہیں وہ کچھ اور نہ سمجھ لے۔

"آپ کے گھر والے کیا سوچیں گے؟" کچھ دیر بعد وہ بولی تو فصیح نے رکشے کو گھر کے راستے پر ڈال دیا۔ وہ اس کے ساتھ جانے پر راضی تھی، جاننے کے لیے مزید کسی سوال ضرورت نہیں تھی۔

☆☆☆

رکشہ پسماندہ علاقے کی ایک قدرے چوڑی گلی میں داخل ہو کر لکڑی کے سال خوردہ دروازے پر جا رکا۔ اس نے ہارن دیا چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک بارہ، تیرہ سال کی بچی سر پر دوپٹہ لیے کھڑی تھی۔ اس نے فصیح کو سلام کیا۔

"میرے ساتھ مہمان ہیں۔ انہیں اندر چھوڑ کر آؤ اور میری بات سنو۔" سلام کا جواب دے کر فصیح نے اس لڑکی سے کہا اور رکشے کی طرف مڑا۔

"آپ اندر چلی جائیں۔"

تو یہ تھی اس کی منزل؟ سرسری نظر ڈال کر اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ بنا پلستر کے ایک طویل دیوار تھی جس پر کوئی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیا۔ جانے کب تک یہاں رہنا تھا مگر یہ تھا کہ سر چھپانے کو وقتی طور پر ہی سہی مگر چھت مل گئی تھی۔ زرد پتے کی طرح کانپتی ہوئی وہ اس دہلیز کو پار کر کے اندر داخل ہو گئی۔

فصیح رکشہ اندر کر کے حسب معمول اماں اور ابا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جب تک سامعہ اسے کمرے میں چھوڑ کر آئی، وہ مختصر انہیں اس کے بارے میں بتا چکا تھا۔

"آج کل کے حالات ٹھیک نہیں۔ کل کو اگر کوئی مسئلہ ہو گیا تو؟" اماں اپنا خدشہ زبان پر لے آئیں۔

"اماں! وہی تو میں کہہ رہا ہوں آج کل کے حالات ٹھیک نہیں ایسے میں ایک لڑکی کہاں سے کہاں پہنچ سکتی ہے؟ ویسے بھی آپ ہی تو کہتی ہیں، نیکی ضائع نہیں جاتی۔ جب ہم ایک لڑکی کی عزت کا احساس کر رہے ہیں تو اللہ پاک ہمارے ساتھ کیوں کچھ برا کرے گا؟"

فصیح کی بات پر وہ چپ ہو گئیں۔ کہہ تو وہ ٹھیک رہا تھا۔

"سامعہ! بہن سے کہو۔ جا کر اسے کھانا پانی دے اور اس کے لیے بستر لگا دے۔"

وہ خاموشی سے حکم کی تعمیل کے لیے واپس چلی گئی۔

"میں اس سے بات کر کے اس کے حالات اور گھر بار کا پتا معلوم کر دوں گی اس سے۔ پھر تم اس کے گھر والوں کو ڈھونڈ لانا۔"

"بس کر دے بھلیے لوکے! ابھی کوئی چار دن اسے سکون کرنے دے۔ جانے کن حالات میں گھر سے نکلی ہے۔" ابا نے ٹوکا

فصیح نے نپے تلے انداز میں اس لڑکی کے گھر چھوڑنے کے پیچھے اس کا مقصد بتا دیا تھا کہ وہ گھر سے خودکشی کرنے نکلی تھی اور خودکشی بلاوجہ تو نہیں کی جاتی نا۔ اسی وجہ سے ابا نے اماں کو محتاط رہنے کی تاکید کی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر

www.zemtime.com

شمسہ اور نوریہ اپنی اپنی کتابیں اٹھائے اس کے پاس پڑھنے آ بیٹھیں۔

"بھایا! کون ہے یہ؟" سدا کی متجسس نوریہ نے پوچھا۔

"بتایا تو تھا مہمان ہیں۔ تم لوگ الٹے سیدھے سوال پوچھ کر پریشان مت کرنا۔ ٹھیک ہے؟" اس نے کتاب اٹھاتے ہوئے کہا۔

"شمسہ! پانی کا ایک گلاس لے آؤ اور نوریہ تم یہاں سے پڑھنا شروع کرو۔"

شمسہ اٹھ کر گئی تو نوریہ نے سبق پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ بھی اپنا فون نکال کر ایف ایم سننے کے لیے ہینڈز فری لگانے لگا۔

"ویسے بھایا! یہ ہے کتنی پیاری نا؟" نوریہ نے رک کر پوچھا تو اس نے اہرو سکیڑ کر ناراضی کا اظہار کیا۔ وہ منہ بنا کر دوبارہ سبق پڑھنے لگی اور صبح ایف ایم پر چلنے والے گانے کے بول سن کر ہیلے کالج کے سامنے پہنچ گیا جہاں سیاہ جینز پر ڈھیلی ڈھالی شارٹ شرٹ میں کندھوں سے ذرا نیچے آتے بالوں کو جھٹکتے، چہرے پر دنیا جہان کی بیزاری سجائے وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

آنکھیں روح کا آئینہ ہوتی ہیں اور اس وقت اندر کے بھانبھڑ کا پتا دے رہے تھے۔

☆☆☆

ساری رات سکڑ سمٹ کر ایک ہی جگہ لیٹے رہنے کی وجہ سے ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی اور صبح جانے کس وقت اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس نے لحاف سے منہ نکال کر دیکھا۔ بڑا سا کمرہ اس وقت اس کے علاوہ کسی دوسرے ذی روح سے خالی تھیں۔ بچھی ہوئی چارپائیاں بھی اٹھائی جا چکی تھیں۔ بستر جست کی ایک بڑی پیٹی پر تہہ در تہہ رکھے ہوئے تھے۔ لحاف اتار کر وہ اٹھ بیٹھی۔ گھڑی کی سوئیاں گیارہ سے کچھ آگے تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا آئی کہ وہ یہیں بیٹھی رہے یا اٹھ کر باہر نکل جائے۔ ایک تو اس نے گزری دوپہر کا کھانا کھایا ہوا تھا۔ رات اس کے میزبانوں نے کھانا لا کر سامنے رکھا تو تھا مگر وہ اس قدر خوف زدہ اور پریشان تھی کہ ایک نوالہ بھی نہیں لے سکی اور اس وقت ایسے لگ رہا تھا جیسے بھوک سے اس کی جان نکل جائے گی۔ شمسہ کسی کام سے اندر آئی تو اسے جاگتا پایا۔

اسے غسل خانے کا دروازہ دکھا کر شمسہ اس کے لیے ناشتے کا انتظام کرنے چلی گئی۔

غسل خانے سے کمرے تک کے راستے میں اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ ایک طویل اور کچا صحن تھا جس میں دھریک اور جامن کے دو پیڑ لگے تھے۔ کچھ چھوٹے چھوٹے پودے بھی تھے۔ دو تین بڑے بڑے کمرے ایک طرف تھے جن کے آگے بڑا سا برآمدہ تھا۔ دو کمرے ایک طرف تھے جن میں سے ایک میں اس نے رات گزاری تھی۔ اس کے آگے بھی ایک مختصر سا برآمدہ تھا۔

کمرے میں واپس آ کر وہ کھانے کا انتظار کرنے لگی۔

"رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی؟"

اماں کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کے ہاتھ میں کڑھائی والا فریم تھا جس میں سفید رنگ کا کپڑا لگا ہوا تھا۔ انہیں شمسہ نے ہی اس کے اٹھنے کا بتایا تھا۔

"نہیں۔ ٹھیک نیند آئی تھی۔" سر جھکا کر اس نے آہستگی سے جھوٹ بولا۔

"نہ بیٹی نہ۔ ایسے بے ضرر معاملات میں جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ سچ کہوں تو فکر سے مجھے بھی پوری رات نیند نہیں آئی۔"

سادگی سے کہتے وہ ست رنگی دھاگے سے کپڑے پر چھپے پھول پر ٹانکے بھرنے لگیں اور وہ حیرت سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "بیٹا! مجھے نہیں پتا تمہارے ساتھ کیا گزرا اور کیسے۔ بس اتنا بتا دوں ہم غریب لوگ ہیں اور ہمارے پاس بس عزت ہی ہے۔ ہم تمہیں عزت دیں گے تم ہمیں بے عزت نہ کرنا۔ باقی کسی شے کی فکر نہ کرنا۔ میں تمہاری ماں جیسی ہوں۔ کوئی بات ہو تم مجھ سے کر لینا۔ ٹھیک

www.zemtime.com

ہے؟"

ان کے استفسار پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شمسہ ناشتہ لے آئی تھی۔ پراٹھے اور ساتھ میں رات کا بچا سالن تھا۔ اتنے بھاری ناشتے کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ شدت کی بھوک ہونے کے باوجود اس نے بمشکل ایک پراٹھا ختم کیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" نوریہ ابھی کمرے میں آئی تھی۔

وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"صبا!" نے آہستہ سے کہہ کر سر جھکا لیا۔

"چلو، اب اٹھ کر کام دیکھو کیا یہیں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے؟" اماں نے اسے وہیں براجمان دیکھ کر آنکھ سے اشارہ بھی کیا۔

"جا رہی ہوں۔ کام ہی کر رہی ہوں۔ بکرم لینے آئی تھی اندر۔" منہ بنا کر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

"تم بھی اٹھ کر باہر چلو، دل بہل جائے گا۔"

فریم اٹھا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تو اس نے چارپائی کے نیچے پڑا اپنا بیگ پیر کے ساتھ زید نیچے کیا اور بڑی سی چادر لپیٹتے ہوئے ان کے پیچھے باہر نکل گئی۔

پکے فرش والے برآمدے میں پر دوہری تہری کر کے ایک خستہ حال دری بچھا کر سامنے سلائی مشین رکھ کر نوریہ مشین پر جھکی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے سر اٹھایا اور پھر سر جھٹک کر دوبارہ مشین پر جھک گئی۔

اچھے لباس کے شوق نے اسے ایک بہترین درزن بنا دیا تھا۔ شمسہ صحن کے ایک کونے میں چھپر کے نیچے برتن دھو رہی تھی۔ سامعہ جامن کے درخت کے نیچے جھاڑو لگا رہی تھی۔ صبا اماں کے ساتھ ہی لکڑی کے موٹے پایوں والی بان کی متروک چارپائی کے کنارے پر ٹک گئی۔

"شمسہ تیرے ابا ساگ لے آئے کہ نہیں؟"

"ابا گئے ہوئے ہیں۔" جواب نوریہ نے دیا تھا۔

"فصیح کو ساگ بہت پسند ہے، اس لیے سوچا جاتے موسم میں ایک بار پکا دوں۔ اگلے سال یا قسمت یا نصیب۔ کیا پتا میں رہوں نہ رہوں۔"

"اللہ پاک لمبی عمر کرے۔" پتا نہیں کیسے اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔ اماں نرمی سے مسکرائیں۔

"تمہاری ماں کیسے ساگ پکاتی ہے؟"

اماں کی بات پر اس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ "مجھے نہیں پتا۔" بڑی دقت سے اس نے یہ سہ لفظی جملہ ادا کیا تھا۔

"اچھا تم آج میرے ہاتھ کا ساگ کھا کر بتانا، تمہیں کیسا لگا ویسے ماں کے ہاتھ کی تو سواہ بھی اولاد کے لیے من و سلویٰ ہوتی ہے۔" وہ پھر مسکرائیں۔

تھوڑی دیر میں ابا ساگ لے آئے تو اماں کے ساتھ مل کر وہ ساری بہنیں ساگ بنانے لگیں۔ اسے حیرت ہو رہی تھی، چھوٹی سی سامعہ بھی بڑی مہارت سے کچے ڈنٹھل پکڑ کر ہرے پتے ایک ترتیب سے لگاتی اماں کے ہاتھ میں دیتی جا رہی تھی اور اماں برق رفتاری سے ان کی مٹھیاں بھرنے سے پہلے درانتی سے ساگ کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگاتی جا رہی تھیں۔

شمسہ نے جب تک ساگ دھویا، اماں مٹی کی ہانڈی چولہے پر چڑھا چکی تھیں اور اس کے ساتھ ہی مکئی کا آٹا گوندھ رہی تھیں۔ اس کے لیے یہ ساری تیاری بڑی دلچسپ تھی۔ اس سے پہلے اس نے ساگ گوشت کا پکا ہوا باؤل ہی ڈائننگ ٹیبل پر دیکھا تھا۔

"تم مکئی کی روٹی کھا لو گی یا تمہارے لیے گندم کے آٹے کی روٹی بنائیں؟"

"جو تم لوگ کھاؤ گے، وہی کھا لوں گی۔"

"میرا مطلب تم شوق سے جو کھاتی ہو بتا دو اگر چاول کھاتے ہیں تو وہ بھی بن جائیں گے کوئی مسئلہ نہیں۔"

"نہیں۔ مکئی کی روٹی ٹھیک ہے۔"

www.zemtime.com

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا ورنہ مکئی کی روٹی کا تو اسے ذائقہ بھی معلوم نہیں تھا۔ ذائقہ تو اسے ساگ کا بھی پتا نہیں تھا۔ گھر میں کک کے ہاتھوں بے توجہی سے بننے والا بے ذائقہ کھانا زندگی میں خوراک کی ضرورت تو پوری کرتا تھا مگر اس میں شوق والی کوئی بات نہیں تھی۔

اس رات لہسن اور زیرے کے بگھار والے ساگ پر پگھلتا ہوا مکھن اور مکئی کی روٹی کی خوشبو نے اسے ایک نئے ذائقے سے متعارف کروایا تھا۔ اسے خود علم نہیں ہوا کہ وہ کتنی روٹی کھا چکی ہے۔

"کیسا لگا ساگ؟"

اماں کے پوچھنے پر وہ زبان سے تعریف میں کچھ نہیں کہہ سکی البتہ اس کی بھیگی آنکھوں نے بھرپور اس کے جذبات کا اظہار کیا تھا۔

☆☆☆

گرمیوں کی اس تپتی دوپہر وہ تسلی سے لاؤنج میں سنگل صوفے پر گود میں فیشن میگزین لیے بیٹھی تھی۔ فری گھر میں نہیں تھی اور کسی بھی وقت اس کی واپسی ہو سکتی تھی، اسی لیے وہ کمرے میں نہیں بیٹھی تھی۔

یہاں سے کم از کم اس کے آنے کا علم تو ہو سکتا تھا اور وہ اس کے اندر آنے تک آرام سے میگزین چھپا سکتی تھی۔ پیاس محسوس ہونے پر اس نے میگزین ہاتھ میں فولڈ کیا اور فریج سے جوس نکال کر واپس اسی جگہ آ بیٹھی۔ ابھی اس نے جوس کا پہلا گھونٹ ہی بھرا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کا میگزین کھینچ لیا۔ جوس کا گلاس اس کے ہاتھ سے گر کر قالین بھگو گیا اور اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ بنا سر اٹھائے بھی جانتی تھی کہ اس کی شامت آ چکی تھی۔ اس کے جوس لانے تک وہ باہر سے اندر آ چکی تھی۔

"واؤ۔ فیشن میگزین؟ تو اب مس نزی فیشن میگزین سے دیکھ دیکھ کر فیشن کریں گی اور مجھے پیچھے چھوڑ دیں گی۔" وہ اب اس کے سامنے کھڑی تھی اور نزہت مجرم بن کر اپنی جگہ جم گئی تھی۔

"نہیں پلیز، یہ ظلم مت کرنا۔ میرے چاہنے والے مر جائیں گے۔ میرے فینز مجھ سے بچھڑ جائیں گے تو میں یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکوں گی۔ میں مر جاؤں گی نزی! ایسا مت کرنا پلیز۔"

اداکاری کے میدان میں کتنا نام کما سکتی تھی فری؟ اپنی بے عزتی سے نظر چرا کر نزہت نے سوچا۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے تمہارا دماغ کہاں ہے؟ میں چلتا پھرتا فیشن آئیکون تمہارے سامنے ہوں اور تم ان میگزینز سے سیکھو گی۔ ویسے بھی یہ گاڈ گفٹڈ شے ہے۔ تمہارے بس کی بات نہیں۔ کوئی ڈھنگ کی کتاب کھولو اور رٹے مارنے شروع کرو۔"

نزہت کے سر پر میگزین مارتے ہوئے وہ حقارت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ نزہت کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی بھر گیا تھا۔

"اوہ ڈیڈی۔ ہاؤ آر یو۔" اندر سے آتے ڈیڈی نے اسے نزہت کے سر پہ میگزین مارتے ہوئے دیکھا تھا۔

"آئم فائن۔ ہاؤ آر یو؟ اور خیریت آج بہن کی پٹائی کیوں ہو رہی ہے؟"

اس کی حرکتیں ہی ایسی ہیں۔ دو ماہ بعد پیپر ہیں اور یہ میڈم فیشن میگزین کھولے بیٹھی ہیں۔ پتا ہے یونیورسٹی میں کتنی انسلٹ فیل کرتی ہوں اس کے حوالے سے۔

وہ بڑے آرام سے ڈیڈی کے پہلو سے لگی کہہ رہی تھی۔ اب یہ تو وہ دونوں ہی جانتی تھیں کہ کون کس کے حوالے سے کیا محسوس کرتا ہے۔

"نزی! کیا ہو گیا ہے اتنی غیر ذمہ دار کیوں ہو رہی ہو؟ پہلے ہی اتنی مشکل سے پاس ہوتی ہو اور اب یہ سب کرو گی تو اسی کلاس میں رہ جاؤ گی۔ پڑھائی پر توجہ دیا کرو اور اگر مدد چاہیے تو فری سے کہو۔ تمہاری بہن ہے، اسی سے کچھ سیکھ لو۔"

ہزار بار کا دہرایا لیکچر ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا۔ نزہت کے آنسو بہنے لگے تھے حالانکہ وہ ان کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔

www.zemtime.com

"ایک تو بندہ اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ رونے بیٹھ جاتی ہے اور اسے دیکھ کر مما کا بی پی ہائی ہونے لگ جاتا ہے۔ ہمارا نہیں تو کچھ مما کا خیال کرلو۔ اب اٹھو یہاں سے اور کمرے میں جا کر کوئی کتاب لے کر بیٹھو۔"

وہ کمرے کی طرف مرے مرے قدموں سے جا رہی تھی تب اس نے اپنے پیچھے آواز سنی۔

"اتنی گرمی ہو رہی ہے ڈیڈی! آئسکریم کھلانے لے چلیں۔ بلکہ ایسا کرتے ہیں، لنچ بھی باہر کرتے ہیں۔ میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں۔"

ڈیڈی کا کمزور سا انکار فری کی ضد کے آگے دم توڑ چکا تھا، ہمیشہ کی طرح۔

"اب آرام سے بیٹھ کر پیپرز کی تیاری کرو اور فکر مت کرنا، میں تمہارے لیے بھی لے کر آؤں گی آئس کریم۔ تمہیں پتا تو ہے تمہارے بغیر میرے حلق سے کچھ اترتا ہی نہیں۔" اس کی ٹھوڑی چھو کر اپنا نکھرا روپ مزید نکھار کر وہ بجلی کی رفتار سے باہر نکل گئی۔

نزہت نے شکر ادا کیا تھا کہ کم از کم اب وہ سکون سے رو تو سکے گی۔

اسے قسمت سے بہت گلے تھے۔ بہت سارے گلے۔ اس نے کیوں اسے اس گھر میں بھیجا جہاں فریحہ نام کی بلا اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو کھا جاتی تھی۔ اسے کیوں ایسے ڈیڈی ملے۔ جنہوں نے ہمیشہ فری کی باتوں کا اعتبار کیا اور اس سے کچھ پوچھنا گوارا نہیں کیا۔ کیوں اسے ایسی مما ملیں جنہوں نے سب جانتے بوجھتے بھی نہ فری کو کبھی ڈانٹا اور نہ ڈیڈی کو کبھی فری کا اصلی چہرہ دکھایا۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا فری کو زہر دے کر مار دے مگر پتا نہیں کیوں اسے یقین نہیں تھا کہ فری مر بھی سکتی ہے۔ وہ اگر پھر زندہ ہو کر اس سے پوچھتی کہ مجھے کیوں زہر دیا تھا؟

وہ جھرجھری لے کر رہ جاتی۔ اب تو اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ خودکشی کرلے۔ فری سے نفرت اتنی شدید ہوتی جا رہی تھی کہ وہ واقعی کوئی حل سوچنے لگی تھی۔

☆☆☆

جاتی سردیوں کی دھوپ پکی اینٹوں سے بنی سال خوردہ دیوار پر دھری تھی۔ سہ پہر کا رنگ مٹیالا سنہری ہو رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں گلاب کی باڑ پر لگے ڈھیر سارے پھول آنگن مہکا رہے تھے۔ جامن کے درخت تلے بچے بلند آواز سے کلام الٰہی پڑھ رہے تھے۔

صبا کیاری کے پاس پیڑھے پر بیٹھی دلچسپی سے ان سب کو اپنے اپنے کام نمٹاتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور اماں ایک ایک گر کے بچوں کا سبق سن کر چھٹی دیتے ہوئے گاہے گاہے اس پر نظر ڈال کر اس کی معصومیت کو دیکھ رہی تھیں۔

اس کے چمکتے رنگ روپ کو دیکھ کر اندازہ تو ہوتا تھا کہ وہ کسی اور جہاں سے آئی ہے مگر پچھلے چار دنوں میں ہی اماں سمیت ان بہنوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جیسے آسمان سے سیدھا ان کے گھر اتاری گئی ہے۔ اسے دوپٹہ تک اوڑھنا نہیں آتا تھا۔ اس کے پاس جو اس کے کپڑے تھے۔ انہوں نے نوریہ کو تو پاگل کر دیا تھا۔ اس کے دھلے کپڑے الگنی سے اتار کر وہ کتنی دیر ان پر ہاتھ پھیر پھیر کر نرمی کو محسوس کرتی رہی۔ صبا کا ہر ہر انداز چیخ چیخ کر بتاتا تھا کہ اس کی دنیا الگ ہے۔ اس کے طور طریقے بہت الگ تھے۔ اٹھنے بیٹھنے سے لے کر بات کرنے یہاں تک کہ خاموش رہنے میں بھی ایک سلیقہ تھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" کچی دال کا پانی نچوڑ کر پودوں میں ڈالتے اماں نے رک کر بے ساختہ اس سے پوچھا تھا۔

اس کے چہرے پر خوف کے سائے لرزاں تھے جیسے ماضی کا کوئی ورق الٹنے کو ہو۔

"اوں ہوں۔ بس یہ بتاؤ رات کو نیند ٹھیک سے آتی ہے؟"

وہ کیا کہتی، اس کی سرخ آنکھیں سارا قصہ کہہ رہی تھیں۔ اسے بڑے سے کمرے میں اپنے جہازی سائز کے بیڈ پر جیسی نیند آتی تھی ویسی نیند اس کمرے

www.zemtime.com

میں جہاں اس کے علاوہ تین اور لڑکیاں سوتی تھیں اور جہاں اس کے بیڈ جیسا بیڈ نہیں بلکہ بان کی چارپائی تھی، کیسے آسکتی تھی۔

"پریشان ہو تو کہہ ڈالو پتر! سارے بوجھ اکیلے ڈھونے والے نہیں ہوتے اور پھر دھیاں تو بڑی نازک ہوتی ہیں۔ میں تو اپنی بچیوں کو بھاری شے نہیں اٹھانے دیتی تو بھاری مسئلے کیسے اٹھانے دوں اور پھر تم بھی تو میری دھی ہو۔"

وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ کچھ اور سمجھیں یا سوچیں، اس لیے گزرے چار دنوں میں اپنائی گئی مصلحت کو خیرباد کہہ کر اس نے اپنی مشکل بتادی۔

"مجھے چارپائی پر سونے کی عادت نہیں اور پھر... مجھے اکیلے کمرے میں سونے کی عادت ہے۔ آہستہ آہستہ بن جائے گی عادت۔ آپ فکر مت کریں۔"

اور پھر انہوں نے فکر ایسے ختم کی کہ اس رات فصیح کا بستر اپنے کمرے کے سامنے برآمدے میں لگوادیا۔ گھر کا اکلوتا بیڈ اسی کے کمرے میں تھا۔ اب وہ بیڈ تو وہاں سے اٹھنے سے رہا پھر صبا کو اکیلے کمرے کی عادت تھی۔ وہ پرانے زمانے کی بے ریا عورت آج کے دور میں بھی مہمانوں کو اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے سمجھتی تھیں۔ صبا کے لیے ان کے دل میں جتنے خدشے تھے، وہ گزرے چار دنوں میں ہوا ہو گئے تھے۔ اتنی موہنی صورت اور ایسا معصوم انداز کہ کچھ برا سوچنا بھی گناہ لگتا تھا۔

صبا اپنے آپ میں شرمندہ ہو رہی تھی کہ اس کی وجہ سے اس کے محسن کو کمرہ بدر ہونا پڑا۔

اس رات کمرے میں لکڑی کی پرانے زمانے کی کھڑکی میں لگے سریوں سے اس نے سامنے کے برآمدے میں لگی چارپائی دیکھی۔ اس پر دراز شخص کا چہرہ یادداشت میں جانے نہیں تھا بھی کہ نہیں۔ جس دن سے وہ یہاں آئی تھی وہ اس کے اٹھنے سے پہلے جا چکا ہوتا اور اس کے آنے کے وقت وہ کمرے میں ہوتی۔ وہ اگر باہر ہوتی بھی تو وہ سلامتی بھیج کر خاموشی سے رخ بدل کر اماں اور ابا کے کمرے کی طرف چلا جاتا۔ دونوں برآمدوں میں فاصلہ اتنا تھا کہ وہ اس کے نقش تک ذہن میں دوبارہ ابھارنے پر ناکام تھی۔ بہ زبان خاموشی اسے ایک بار پھر شکریہ کہہ کر وہ کھڑکی سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ فصیح شام کو وقت پر ہی آجاتا تھا اور رات کا کھانا شام سات، ساڑھے سات تک کھا لیا جاتا تھا اس لیے شمسہ تن دہی سے کھانا بنانے کی تیاری میں جتی ہوئی تھی۔ آج لوکی گوشت پکنا تھا اور چونکہ بڑے گوشت کو گلنے میں وقت لگتا ہے تو ہانڈی جلدی چڑھانی تھی تاکہ وقت پر سالن تیار ہو سکے۔ بھنتے مسالے کی خوشبو بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"نوری! پانی چھڑک کر جھاڑو لگا دے سیپارے والے بچے آتے ہی ہوں گے۔" اماں نے تسبیح کے دانے پھیرتے نوریہ کو آواز لگائی۔

"السلام علیکم خالہ جی۔" لکڑی کے کھلے دروازے سے ایک بائیس تیئیس سالہ لڑکی اندر داخل ہوئی۔

"وعلیکم سلام پتر۔ بڑے دن بعد آئی ہو۔ ماں کدھر رہتی ہے تیری۔" تسبیح تکیے پر رکھ کر انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کے سر پر پیار دیا۔

"بس خالہ جی! ہونا کہاں ہے۔ گھر کے کام اور پھر میری شادی کی تیاری۔" آخر میں اس کا لہجہ شرمیلا ہو گیا تھا۔

"اللہ خیر کا وقت لائے۔ کام کروانا ہے؟"

"جی میں نے پپو کو بھیجا تھا صبح۔ کہہ رہا تھا شمسہ باجی کہہ رہی ہیں، دوپہر کے بعد آنا۔"

اس کی بات پر اماں نے سر ہلا دیا۔ شمسہ بھی اس کی طرف دیکھتے تیزی سے ہاتھ چلانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ آئی اور آنے والی لڑکی کو لے کر اسٹور نما اس کمرے میں گھس گئی جس میں آج تک صبا نے قدم تک نہیں رکھا تھا۔

www.zemtime.com

"کیا کام کروانا ہے اس نے؟" اس نے سامعہ سے پوچھا۔

"فیشل کروانا ہوگا یا بلیچ۔ یا مجھے پتا نہیں۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا تو وہ مسکرا اٹھی۔

"یعنی پارلر کا کام۔ شمسہ نے سیکھا ہوا ہے؟"

"تو اور کیا۔ اتنا اچھا کام کرتی ہیں باجی۔ شیخوں کے پورے محلے کی عورتیں یہاں آتی ہیں۔ ابھی روزوں میں اتنا کام ہوتا ہے کہ شمسہ باجی اس موٹو پروین کو بلالاتی ہیں مدد کے لیے۔ آپ بھی کروا کر دیکھنا۔"

سامعہ کی بات پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

"ویسے آپ تو پہلے ہی اتنی پیاری ہو۔ جب میں نے پہلی بار دیکھا تو مجھے لگا ٹی وی کے ڈراموں سے کوئی لڑکی ہمارے گھر آ گئی ہے۔"

اس کی معصوم سی تعریف پر وہ خجل ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سیپارہ پڑھنے والے تین چار بچے آ چکے تھے اور اپنی مقررہ جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ پتا نہیں کیوں اس کا دل چاہا وہ بھی اس کلام سے آشنائی حاصل کرے جس کا تلفظ بھی اسے ٹھیک سے معلوم نہیں تھا۔ سچ تو یہ کہ اگر وہ یہاں نہ آتی تو شاید زندگی کے میلوں، جھمیلوں میں اسے اس بات کا خیال بھی نہ آتا۔ کچھ یوں بھی مشکل حالات میں، پریشانی میں وہی تو یاد آتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب اماں وضو کر کے آئیں تو وہ ان کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی۔

"مجھے بھی قرآن پڑھا دیں۔"

انکار والی بات ہی نہیں تھی سو اماں نے خوشی خوشی ایک اور شاگرد کو پڑھنے کے لیے بٹھا لیا تھا۔

☆☆☆

چھوٹے چھوٹے گملوں اور پلاسٹک کے ڈبوں میں لگی گل دوپہری پر جامنی پتے سبز رنگ میں ڈھل رہے تھے۔ موسم کی جاں فزا حرارت ہلکی سی ٹھنڈک میں بدل رہی تھی۔ مٹیالی شام دھیرے دھیرے قدم بڑھا رہی تھی۔ مرغیاں اپنے ڈربے کے باہر دانہ چن رہی تھیں۔ نوریہ کمرہ بند کر کے کپڑوں کی کٹائی میں مصروف تھی۔

"کسی کے سامنے کپڑے کٹائی کروں تو غلط کٹائی ہو جاتی ہے۔" یہ بھی نوریہ کی اپنی سائنس تھی جو کم از کم صبا کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سو وہ بھی باہر برآمدے میں لکڑی کی چارپائی پر بیٹھی تھی جہاں سامعہ اپنا بستہ کھولے اسکول کا کام لے کر بیٹھی تھی۔ پورے گھر میں بھنتی ہوئی سوجی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ شمسہ چولہے پر رکھی کڑاہی میں تیز تیز چمچ چلا رہی تھی اور اماں پاس ہی رنگ اڑے رنگین پیڑھے پر بیٹھی بادام اور کھوپرا کاٹ رہی تھیں۔

☆☆☆

سرسبز مخملی گھاس کے فرش پر وہ سامنے کتابیں رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے جگنو چمک رہے تھے۔ چہرہ روشن اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سامنے بیٹھے شخص کے عقب سے نمودار ہوتے فری کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر اس کی مسکراہٹ ایک دم سے خوف میں تبدیل ہوئی تھی۔ چہرے کی روشنی اندھیرے میں بدل گئی تھی۔ جیتی جاگتی جذبوں سے بھرپور لڑکی سنگی مجسمہ ہو گئی تھی۔ یہ اس نے سوچا بھی کیسے کہ اس کے ساتھ کچھ اچھا ہو سکتا ہے۔

فری اب اس کے پہلو میں آ بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم"

اس میں کوئی شک تھا ہی نہیں کہ یہ سلامتی اس خوب رو پر بھیجی گئی تھی جو نزہت کے مقابل بیٹھا تھا۔

"تم یہاں بیٹھی ہو اور میں تمہیں پوری یونیورسٹی میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔"

نزہت تو بے جان شے کی طرح وہاں پڑی تھی۔ وہ کیسے ہاں ہوں کہہ سکتی تھی۔

"یہ میری چھوٹی بہن ہے اور آپ؟"

اسفند کو دلچسپی سے دیکھتا پا کر اس نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ فریحہ عباس کسی کے سامنے بیٹھی ہو اور وہ کسی اور جانب نظر پھیر لے۔ نزہت سامنے ہوتے ہوئے

www.zemtime.com

بھی پس منظر میں چلی گئی تھی۔

"میں سفید ہوں اور آپ کی طرح نہ تو مشہور ہوں اور نہ ہی کوئی غیر معمولی کارنامہ سرانجام دیا ہے سو میرا تعارف تو نام کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو گویا نزہت کا دل جل گیا۔

"میری تعریف کر رہے ہیں یا مجھ سے فلرٹ کی کوشش؟" فری مسکرائی

"ایک وقت میں دونوں نہیں کر سکتا کیا؟"

اس کی بات پر فری نے گردن پیچھے گرا کر قہقہہ لگایا اور پھر ہنستی چلی گئی۔

نزہت نے ان دونوں کو دیکھا اور غیر محسوس طریقے سے پیچھے ہو کر وہاں سے دور ہوئی اور پھر اٹھ کر تقریباً بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ یہ اس کا وہم تھا کہ اس کے اٹھنے پر کسی نے غور نہیں کیا۔ فری نے اسے تاریک ہوتے چہرے کے ساتھ وہاں سے دور ہوتے دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر اسفند سے باتوں میں مشغول ہو گئی۔

اپنے کمرے کے اندھیرے میں بستر پر سکڑ کر لیٹی روتی نزہت اندازہ کر سکتی تھی وہاں سے اٹھنے سے پہلے ان کی بے تکلفی کہاں تک پہنچ چکی ہو گی، نمبرز کے تبادلے ہو چکے ہوں گے اور اب لمبی کالیں ہوں گی اور....

اور اس سے آگے سوچا جا ہی نہیں رہا تھا۔ بس ان دونوں کے مسکراتے چہرے نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ فری کی آنکھوں میں اس کے لیے تمسخر تھا، جیت کی سرشاری تھی۔ زندگی میں اب کیا رہ گیا تھا؟ نزہت عباس کو اب خودکشی کر لینی چاہیے تھی۔ کچھ سوچ کر وہ بستر سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

گھر میں ماہِ رمضان کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ ڈھیر ساری املی اور آلو بخارے کی چٹنی بن کر شیشے کی چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں بھر کر فریج میں محفوظ ہو گئی تھی۔ بادام کا شربت، صندل کا شربت اور الائچی کا شربت تو گھر میں بنا تھا البتہ ان کے علاوہ سرخ مشروب کی بڑی سی بوتل بھی آ چکی تھی۔ شامی ٹکیاں بھی بن کر فریزر میں جا پہنچی تھیں۔ شمسہ اور اماں نے مل کر بیسن سے دہی بھلوں کے لیے پکوڑیاں بھی تل لی تھیں۔

صبا تو جانتی ہی نہیں تھی کہ رمضان کے لیے تیاری بھی ہوتی ہے۔ اپنے گھر میں اس نے ایسا کوئی تردد دیکھا جو نہیں تھا۔ اپنے گھر میں تو اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ بس ایک لمحے کے لیے دل میں ایک خیال آیا اور پھر وہ حال میں گم ہو گئی جہاں رمضان کا چاند نظر آنے کے بعد شمسہ مٹی کی کنالی میں کھٹا لگانے کے لیے دودھ لیے بیٹھی تھی۔

اماں سحری کے لیے تازہ سالن بنانے کی تیاری کر رہی تھیں اور نوریہ اپنے کپڑوں کا ڈھیر لیے بیٹھی تھی۔ عام سے کپڑوں پر ایسی کمال کی ڈیزائننگ کر کے اس نے سامعہ اور شمسہ کے کپڑے تو تیار کر لیے تھے مگر اپنے کپڑوں کے لیے اسے کوئی ڈیزائن پسند نہیں آ رہا تھا۔ اب رمضان شروع ہو گیا تھا اور اس کے کپڑے ابھی پڑے تھے۔ اماں کا سادہ سوٹ تو دو گھنٹے کی مار تھا۔ اصل فکر تو اسے اپنی تھی۔

ابا اور فصیح تراویح پڑھنے کے لیے مسجد گئے ہوئے تھے۔ سارے کام نمٹانے کے بعد جب اماں کے ساتھ شمسہ اور سامعہ بھی عشاء اور تراویح پڑھنے کھڑی ہوئیں تو اماں نے اسے بھی آواز دے لی۔

"بوبے آئی مین جج، وینو کڑی دے کن۔ مہینہ پہلے کے کپڑے لا کر دیے ہوئے ہیں اگر ابھی نہیں سلے تو آج رات میں بھی نہیں سلنے والے۔ پھیلاوا سمیٹ اور آ کر نماز پڑھ۔"

الجھے ذہن کے ساتھ نوریہ نے سلیقے سے تہہ کر کے سارے کپڑے شاپروں میں ڈالے اور نماز کے لیے آ گئی۔ صبا بھی ان کے ساتھ ہی جائے نماز پر جا کھڑی ہوئی۔ اسے اتنے لمبے قیام کی عادت نہیں تھی سو نماز کے بعد بمشکل چند رکعتیں تراویح پڑھنے کے بعد وہ کمرے میں آ گئی۔

www.zemtime.com
ZEMTime SINCE 2014

موسم نے تیور ایسے بدلے تھے کہ اب پنکھے کے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا تھا۔ چھت والا پنکھا چلا کر ان نے دوپٹہ کھول کر بیڈ پر ایک طرف ڈالا اور بالوں سے کیچر نکال کر بے دم ہو کر بستر پر گر گئی۔ اسے ابھی تک ٹھیک سے دوپٹہ اوڑھنا نہیں آیا تھا۔ ویسے تو ابا بھی کم کم ہی لڑکیوں کے کمرے کی طرف آتے تھے۔ جب ضرورت ہوتی تو ''فصیح کی اماں سامعہ کو بھیجو ذرا۔'' کہہ کر لڑکیوں میں سے جس کی بھی ضرورت ہوتی بلوا لیتے اور حسب معمول جملے میں اسی نام کا نام شامل کر لیتے۔

رہا فصیح تو اس نے تو جیسے قسم کھائی ہوئی تھی نہ چہرہ دیکھنا ہے نہ دکھانا ہے۔ اس لیے اتنے بڑے دوپٹے کی یوں تو کوئی ضرورت نہیں تھی مگر چونکہ ان ساری بہنوں اور خود اماں کا دوپٹہ بھی سلیقے سے سر پر جما رہتا تھا تو اسے خود ہی حیا آتی تھی۔

ایک بات جو اس نے محسوس کی تھی وہ یہ کہ ساری بہنیں فصیح پر جان چھڑکتی تھیں۔ وہ رات کو کمرے میں آجاتی تو اکثر کوئی نہ کوئی برآمدے میں اس کے بستر پر کتابیں لیے بیٹھی ہوتی۔ ثمیہ بارہویں میں اور نوریہ گیارہویں میں تھی۔ اس نے فصیح کی تعلیم کا پوچھا۔

''ہمارے بھایا نے بی کام کیا ہوا ہے۔''

سامعہ نے چہک کر بتایا تھا اور وہ حیران ہوگئی۔

''تو پھر رکشہ کیوں چلاتے ہیں؟ کوئی نوکری کیوں نہیں کر لیتے؟''

''نوکری آسانی سے ملتی کہاں ہے۔ پھر ابا کی صحت بھی کوئی اتنی اچھی نہیں رہی تھی۔ سبزی کی ریڑھی ڈھونا اور پھر مرغ کی اذان کے ساتھ بستر چھوڑ کر سبزی منڈی جانا، سبزی لانا۔ کچھ بھی تو آسان نہیں تھا۔ پھر بھایا نے رکشہ ڈال لیا اور ابا کو یہ ننھی منی دوکان ڈال دی۔''

شب برات کی رات اس نے فصیح کی اچھی نوکری کی بھی دعا کی تھی۔

نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کے ساتھ حلق میں پیاس کا احساس جاگا تو وہ ایک بار پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سونے سے پہلے وہ کمرے میں پانی کا جگ ضرور رکھتی تھی۔ پانی کے لیے آدھی رات اٹھ کر باہر برآمدے تک جانا اسے مناسب نہیں لگتا تھا۔ پلاسٹک کے جگ سے اسٹیل کے گلاس میں پانی ڈال کر اس نے منہ سے لگا لیا اور ایک سانس میں ہی گلاس خالی کر کے تپائی پر رکھا۔ وہ بیڈ تک جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ نظر باہر سے آتے فصیح پر پڑ گئی۔

وہ مسجد سے واپس آگیا تھا۔ اس نے سب کو نماز پڑھتے دیکھ کر سوچا وہ بھی وہیں ان کے ساتھ ہو گی جیسے پچھلے کئی دنوں سے تھی، اسی لیے بے دھڑک اپنے کپڑے لینے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اسے ایک نظر دیکھا تو گھبرا کر چہرہ موڑ لیا۔

''معاف کیجیے گا میں سمجھا....''

یہ ادھوری بات پوری نہیں ہوئی۔ نظر پلٹنے تک ذہن نے اس پری پیکر سے شناسائی ڈھونڈ لی تھی۔ فصیح حیدر کی خاطر گھڑی پر وقت ٹھہر گیا تھا۔ بہتی ساعتیں منجمد ہوگئی تھیں۔ اس نے ایک ایک نقش بصارتوں سے چرا کر دل میں چھپا لیا تھا۔ روپہلا روپ کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ سنہری آنکھیں جیسے ستاروں سے چمک مستعار لے کر بنائی گئی ہوں۔ ان آنکھوں میں تحیر تھا۔ گلابی ہونٹ کچھ کہنے کے لیے کھلے، بند ہوئے اور پھر سیاہ پلکوں نے ستاروں کی چمک کو ڈھانپ لیا۔

''کچھ چاہیے؟''

''سب کچھ۔''

''کیا مطلب؟'' لرزاں پلکیں لمحے بھر کے لیے اٹھیں لیکن اس کی آنکھوں میں مچلتے شوق کی تاب نہ لاتے ہوئے فوراً جھک گئیں۔

''کچھ نہیں۔'' مسکراتے لحوں کی شرارت پر وہ بھی مسکرایا اور نفی میں سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔

یہ وہی چہرہ تو تھا جس کے لیے وہ آج بھی پہلے کالج کے باہر چکر کاٹتا تھا۔ وہ جانتا تھا لاک ڈاؤن کی وجہ سے سارے تعلیمی ادارے بند ہیں مگر پھر بھی کہیں

www.zemtime.com

دل کے کسی کونے میں خیال بستا کہ شاید وہ وہاں سے گزر رہی ہو یا کسی بہانے سے دکھائی دے جائے۔

پہلی بار بھی اس نے اسے دانستہ نہیں دیکھا تھا۔ اماں نے اسے ہمیشہ یہی سمجھایا تھا کہ دوسری لڑکیوں پر نظر اٹھنے لگے تو سوچ لینا اپنی بہنوں پر ویسی نظر برداشت ہو جائے گی۔ اس بات نے اس کی نظر اور خیالات کو باندھ رکھا تھا مگر اس روز پتا نہیں کیسے نظر اٹھی اور پھر پلٹنا بھول گئی۔ اب بھی یہی ہوا تھا۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر میں، اپنے کمرے میں مل جائے گی۔ اس رات اسے ساری رات جاگنا تھا۔ ہاں مگر وہ بے خبر تھا کہ اندر بیڈ پر کروٹیں بدل بدل کر سونے کی کوشش کرنے والی کا قرار بھی وہ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

اسے حیرت تھی کہ اتنے دن اس شے انجان رہنے والا، اپنے گھر میں اجنبیوں کی طرح داخل ہونے والا اس سے سامنا ہونے پر کیسے بے اختیاری سے دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے اندھیرے میں کئی جگنو ڈیرا ڈالے بیٹھے ہوں۔ اس سانولے چہرے پر خوشیوں کی وہ تحریر تھی جو اس نے پڑھ تو لی مگر مطلب سے آشنا نہیں ہو سکی تھی۔

☆☆☆

ساری رات اگرچہ ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی مگر سحری کے وقت کسی کے جگانے سے پہلے ہی وہ اٹھ گئی تھی۔ اماں سحری کے لیے روٹیاں بنا رہی تھیں اور شمسہ دیسی گھی لگا لگا کر پراٹھے میں رکھ رہی تھی۔ سامعہ ابا کے گھٹنے سے لگی بیٹھی تھی اور نور یہ لسی بناتے ہوئے فصیح کے پاس بیٹھی تھی۔ جھجکتی ہوئی وہ بھی ان کے پاس آ بیٹھی۔ فصیح نے ایک بار نظر اٹھا کر ہلکی سی مسکراہٹ اس کی نذر کی تھی۔ اس نے گھبرا کر رخ موڑ لیا۔

"بھایا! میری لسی ابھی نکال دیں۔ آپ مکھن نکال دیتے ہیں اور مجھ سے لسی پی نہیں جاتی۔" سامعہ اسٹیل کا بڑا سا گلاس لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"پہلے دو جگہ کسی بٹتی ہے اب تین جگہ بنا کرے گی۔ چپ کر کے اپنے ابا کے پاس جا کر بیٹھ۔ جو بھی بنے گی پی لینا۔" اماں نے روٹی توے پر ڈالتے جواب دیا تھا۔ سامعہ منہ بنا کر گلاس وہیں رکھ کر اٹھ گئی تو نظر بچا کر فصیح نے لسی کا گلاس بھر کر ایک طرف رکھ دیا۔

روٹیاں بن چکنے کے بعد وہیں چٹائی بچھا کر شمسہ نے سب کے لیے سحری لگانی شروع کی۔ صبا کے آگے بھی اس نے سالن اور دہی کی کٹوری کے ساتھ لسی کا بڑا سا گلاس اور چنگیر میں گھی سے چپڑی روٹی رکھی تو وہ بے چارگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ بات اگر ایک وقت کھانے کی ہوتی تو وہ چپ چاپ دو چار لقمے کھا کر اٹھ جاتی مگر اس کھانے کے آسرے پر اس نے سارا دن گزارنا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار وہ روزے رکھ رہی تھی تو روزہ اس کے لیے ویسے بھی مشکل شے تھا اسے مزید مشکل بنانے کا ارادہ ترک کر کے وہ آہستگی سے شمسہ کی جانب جھکی۔

"میں... یہ... گھی والی روٹی نہیں کھاتی۔"

"اوہو تو پہلے بتانا تھا۔ اچھا چلو، میں بناتی ہوں تمہارا پراٹھا۔"

"نہیں۔ سادہ روٹی بنا دو پلیز۔"

"اچھا میں بناتی ہوں۔"

سب نے کھانا شروع کر دیا تھا بس ایک وہی تھی جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔ لسی کا گلاس اٹھا کر اس نے منہ سے لگایا اور پھر اٹھ کر غسل خانے کی طرف بھاگی۔

میٹھی لسی اس نے کبھی پی ہی نہیں تھی۔ پسند نہ ہونا الگ بات تھی، اسے یہ سخت ناپسند تھی۔ قلی کر کے شرمندہ شرمندہ سی وہ واپس آ کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟ طبیعت ٹھیک ہے؟" اماں نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو روزہ مت

www.zemtime.com

رکھو۔ یونہی سارا دن پریشانی ہوگی۔"

"نہیں وہ... میں میٹھی کسی نہیں پیتی اور مجھے نہیں پتا تھا کسی میٹھی ہے۔" شرمندگی سے وہ زمین میں گڑنے والی ہوگئی تھی۔ جب کہ فصیح کے چہرے پر ایک مدہم سی مسکراہٹ ابھری۔ اسے بھی میٹھی کسی پسند نہیں تھی اس لیے جب وہ لسی بناتا تو ایک جگ سب کے لیے میٹھی بناتا اور دوسرا جگ اپنے لیے نمکین۔ محبوب کی کوئی عادت مشترک نکل آئے تو اس کی خوشی کیا ہوتی ہے، یہ اس وقت کوئی فصیح کے چہرے سے جان سکتا تھا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ نوریہ! بہن کو اور لسی بنا دو۔"

اس سے پہلے کہ اماں کے کہنے پر نوریہ اپنی جگہ سے اٹھتی، فصیح اٹھ گیا۔

"یہ لے لیں، میں نے کر لی نخری۔" سلور کا بڑا سا گلاس نوریہ کے سامنے رکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تو جانے کیوں صبا کو ایسا لگا کہ اس نے جان بوجھ کر کسی اس کے لیے چھوڑی ہے۔ پچھلی رات جب وہ اچانک کمرے میں آ گیا تھا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ اور اب اس کا ایسے اٹھ جانا، اس کے دل میں گدگدی ہونے لگی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے خوشی کا ذائقہ چکھا تھا۔ ذات کا ثبات پایا تھا اور دل چاہتا تھا وہ یہیں ساری عمر گزار دے۔ یہاں سے جانے کا دھڑکا تو دل کو لگا ہی ہوا تھا لیکن اس روز اور آنے والے کتنے روزے اس نے افطاری کے وقت سچے دل سے یہیں رہ جانے کی دعا کی تھی۔

☆☆☆

بارہویں روزے کی افطاری محلے کے کسی گھر میں تھی۔ اماں نے سب کے ساتھ اسے بھی چلنے کا کہا تھا لیکن اس کے دل میں خوف تھا، دیکھ لیے جانے کا، پہچان لیے جانے کا۔ اس نے قطعیت سے انکار کر دیا تھا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔ آپ کر آئیں افطاری۔ تھوڑی سی دیر کی تو بات ہے۔"

اتنے دنوں سے کسی نے اس پر کوئی زور نہیں دیا تھا، کسی بات پر اصرار نہیں کیا تھا۔ یہاں اس کی ایک نہیں چلی تھی۔

"شمسہ بہن کو اپنی نئی چادر نکال دے۔" کہہ کر اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"سب جانتے ہیں تم ہمارے گھر مہمان آئی ہو۔ تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ شک پیدا ہوتا ہے اور جو بات نہیں ہونے والی وہ بھی ہوتی ہے۔"

اماں کی بات پر اس نے آنسوؤں کو دھکیلتے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

عصر ادا کر کے وہ فوراً ہی افطاری والے گھر پہنچ گئے تھے۔ گھر اگرچہ پکا تھا لیکن بنا پلستر کی دیواریں اور سیمنٹ کے فرش کے ساتھ ساتھ گھر کے ساز و سامان سے گھر والوں کی مالی حالت کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔ وہ تو جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی جبکہ شمسہ اور نوریہ کے ساتھ سامعہ بھی بڑھ بڑھ کر کام کروا رہی تھی۔ بیٹھک میں آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ بنانے کے لیے صوفے کرسیاں وغیرہ نکلوا کر صحن میں ایک طرف رکھی ہوئی تھیں۔ جھتے ہوئے صحن میں ایک جانب دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان پر ترتیب کے ساتھ مناسب فاصلہ رکھتے ہوئے اسٹیل کے برتن رکھے جا رہے تھے۔ محلے کے باقی گھروں سے برف لائی جا رہی تھی۔ باورچی خانے سے کھانے کی ملی جلی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی لڑکیوں کی دبی دبی ہنسی اور کڑکڑاتے گھی کی آوازیں بھی۔

اس کے لیے یہ سب بالکل نیا اور خوبصورت تھا۔ زمانے کو برا بھلا بولنے والوں نے ایسی کسی گلی میں چکر نہیں لگایا ہوگا جہاں آج بھی دکھ درد اور خوشیاں ساتھ بھی تھیں۔

لکڑی کے پایوں والی پان کی چارپائی پر اماں اور ان ہی کی عمر کی دو تین خواتین براجمان تھیں۔ وہ دری پر ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک لڑکی اس کے پاس بڑی سی چنگیر اٹھائے آ گئی۔ اس

www.zemtime.com

میں ہرا دھنیا اور ہری مرچیں رکھی ہوئی تھیں۔

"یہ دھنیا میرے ساتھ بنوا دو، وہی بھلوں کے لیے چٹنی کوٹنی ہے اور سب ہی بھولے بیٹھے ہیں۔"

بے تکلفی سے کہتے وہ اس کے برابر ہی بیٹھ گئی تو خاموشی سے اس نے اس کی دیکھا دیکھی نرم ٹہنیوں کے ساتھ لگی پتیوں کو توڑ توڑ کر الگ کرنا شروع کر دیا۔ اگرچہ اس کی رفتار بہت سست تھی لیکن وہ کر رہی تھی۔

"توبہ اتنی گرمی میں نقاب چڑھا کر بیٹھی ہو۔ اس طرف کوئی نہیں آنے والا۔ تم اتار دو اسے۔"

دوپٹے کے پلو سے گردن پر آیا پسینہ صاف کرتے اسے اچانک ہی صبا کے نقاب کا خیال آیا تھا۔ دروازے کی طرف سے رخ موڑ کر اس نے نقاب نیچے کیا۔ اس لڑکی کے چلتے ہاتھ رک گئے تھے۔ اس کی بے حد سفید رنگت والے چہرے پر گرمی کی شدت سے سرخ نشان بن رہے تھے۔

"آپ کون ہیں؟" رعب حسن سے سحر زدہ اس کا طرزِ تخاطب از خود بدل گیا تھا۔

"میں... مہمان ہوں۔" بدقت جواب دیتی صبا نے اس کا ٹھٹھک کر رکنا اور غیر محسوس انداز میں چنگیر کو اپنی طرف کھینچنا بڑی شدت سے محسوس کیا تھا۔

"آپ ادھر کمرے میں چلیں۔ یہاں پنکھے کی ہوا اتنی نہیں لگ رہی۔"

وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے پیچھے کمرے میں چلی گئی۔

اسے کمرے میں پہنچا کر وہ سیدھا باورچی خانے میں سموسے تلتی شمسہ کے سر جا پہنچی۔

"یہ جو گوری سی سبز آنکھوں والی لڑکی ہے، یہ تمہاری مہمان ہے ناں؟"

شمسہ نے فخر سے سر اثبات میں ہلایا۔

"بہت پیاری ہے یہ تو۔ میں تو دیکھ کر حیران ہی رہ گئی۔ اتنی پاگل ہوں میں نے تو اسے دھنیا بنانے بٹھا دیا تھا۔" "وہ تو ایسی ہے جیسے... جیسے..."

اسے تشبیہ کے لیے کچھ مل نہیں رہا تھا۔

"پری جیسی لگتی ہے سچی اور ہے بھی اتنی ہی اچھی۔ میرا بڑا دل ہے اس کی اور بھایا کی شادی ہو جائے۔" شوکیس میں سے نکالے برتن کنگھالتی سامعہ نے شمسہ کے سر پر گویا بم پھوڑا تھا۔ شمسہ نے گھور کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ فوراً سر جھکائے اپنے کام میں لگ گئی۔

"یہ رہتی کہاں ہے اور تمہاری کیا لگتی ہے؟"

وہ کتنے بھی سوالوں کے جواب دے لیتی، یہ سوال یہاں ختم ہونے والے نہیں تھے۔ بلکہ ہر سوال کے جواب سے کتنے ہی سوال جنم لیتے تھے۔

اس کے حسن کے قصے سن کر کم و بیش درجن لڑکیوں نے باری باری اس کمرے کا رخ کیا تھا جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ نے یونہی سرسری بات کرنے کی کوشش کی اور کچھ محض دیکھ کر واپس آ گئیں۔ اس شام محلے بھر کی لڑکیوں میں اس کی خوبصورتی کے چرچے تھے۔

"کتنا میٹھا بولتی ہے۔"

"اس کے تو ہاتھ بھی ایسے ہیں جیسے کبھی کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا۔"

اس کی آنکھوں کا رنگ اصلی ہے یا لینس لگائے ہیں۔"

ان کی باتوں میں پرجوش تجسس تھا۔ وہ سادہ دل لڑکیاں اس سے حسد یا جلن نہیں محسوس کر رہی تھیں بلکہ وہ تو شمسہ اور نوریہ کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں کہ ان کی اماں کے کسی بھائی کی بیٹی اتنی خوبصورت، اتنی اچھی ہے۔

اس رات جب فصیح عشاء کے بعد کھانے کے لیے کچھ لینے آیا تو شمسہ سحری کے لیے سبزی بنا رہی تھی۔ فصیح اور ابا کی عادت تھی، عشاء کے بعد روٹی ضرور کھاتے تھے۔ شمسہ نے سارے کام چھوڑ کر اس کے لیے روٹی بنائی اور اتنی دیر وہ نوریہ اور سامعہ کو کام کروانے بیٹھ گیا۔ سامعہ حسب عادت ادھر ادھر کی باتیں کرتی جا رہی تھی۔ وہ اسے بتا رہی تھی کہ کیسے

www.zemtime.com

سب ایک بار تو صبا کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

"میں نے تو کہا، میرا بہت دل ہے، اس کی میرے بھایا کے ساتھ شادی ہو جائے۔"

نوریہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ایسی باتوں پر بھایا فوراً ٹوک دیتے تھے کہ بچے ایسی باتیں نہیں کرتے نہ ہی ایسی کسی گفتگو میں دلچسپی لیتے ہیں لیکن آج تو بھایا مسکرا رہے تھے۔ اس نے چپکے سے آنکھیں مل کر دوبارہ دیکھا تھا۔

"وہ اتنی اچھی لگتی ہے؟"

"ہاں ناں۔ وہ سچ میں اتنی پیاری ہیں بھایا۔ آپ بھی کبھی غور سے دیکھیں تو حیران رہ جائیں گے۔ ڈرامے والی لڑکیاں تو اتنا بھر بھر کر میک اپ لگاتی ہیں لیکن وہ تو سادہ ہی اتنی پیاری ہیں۔ ہم انہیں اپنے گھر میں رکھ لیتے ہیں ناں بھابھی بنا کر۔" اس کی زبان ذرا سی شہ پا کر قینچی کی طرح چلنے لگی تھی۔

"اور میں کیسا لگتا ہوں؟"

اس کی بات پر سامعہ نے جیسے غور سے اس کا ناک نقشہ دیکھا تھا۔ "آپ تو دنیا کے سب سے اچھے اور پیارے بھائی ہیں۔"

"دیکھو بیٹا! تم لوگوں کا بھائی ہوں، اس لیے تم سب کو اچھا لگتا ہوں، پیارا لگتا ہوں۔ لازمی نہیں ہے کسی دوسرے کو بھی اچھا لگوں۔ اگر وہ پریوں جیسی ہے تو یہ دیکھو میرے ہاتھ۔" سامعہ کے ساتھ ساتھ نوریہ کی نظر بھی اس کے ہاتھوں کی پر گئی تھی۔ "یہ میرے ہاتھ کتنے بھدے اور سیاہ ہیں اور یہ بال کتنے برے لگتے ہیں ہے ناں؟"

سامعہ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔ اس نے دیکھا تھا، صبا کی شفاف رنگت سے تو نظر ہی نہیں ہٹتی تھی اور بھایا کو اس نے ابھی ابھی غور سے دیکھا تھا لیکن بھائی ہونے کے اضافی نمبر لگا کر پاس کر دیا تھا۔ اب انہوں نے خود سے یہ خامی نکالی تو اسے دکھ ہوا تھا۔

"میں آپ سے نہیں بولتی۔"

"ابھی یہ میں کہہ رہا ہوں اور تمہیں برا لگ رہا ہے۔ کل کو اگر وہ یا کوئی اور کہے تو سوچو، تمہیں کتنا برے لگے گا اور مجھے بھی۔"

"اور اگر آپ اسے برے نہ لگے تو؟" کتابیں لے کر اٹھنے سے پہلے اس نے ایک بار چپکے سے بھایا سے پوچھا تھا۔

"تو تم بنا لینا اسے بھابھی۔"

ایک خواب تھا جو اس نے ان معصوم آنکھوں سے نوچنا چاہا تھا لیکن اس خواب کا کوئی بیج چپکے سے اس کی آنکھ میں آن گرا تھا۔ یا شاید پہلے سے موجود تھا اور اب نمو پا رہا تھا۔ وہ کسی اور نظام شمسی کا چاند تھا۔ اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے وہ اپنے مدار سے بھٹک کر اس کے راستے میں آن کھڑا ہوا تھا۔ لیکن وہ تو یہ سارے معاملات سمجھتا تھا ناں۔ وہ کیسے اس کی خواہش کر سکتا تھا؟ یہ اور بات کہ دل کسی بچے کی طرح ہمک ہمک کر اس کی جانب لپکتا تھا۔

☆☆☆

نزہت کو لگا تھا خودکشی کا فیصلہ کرنا مشکل ہے اور اس کے بعد سب آسان ہو گا لیکن یہ تو مشکلات کی ابتدا تھی۔ وہ کسی ایسے انداز سے خودکشی کرنا چاہتی تھی جس سے کم تکلیف ہو اور جان جلدی نکل جائے اور اسے تاحال ایسا کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ فری کو اب وہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اسے جلانے کے لیے یا ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے لیے اس کے پاس پہلے کی طرح ان گنت مواقع تھے لیکن اب اسے جیسے پروا نہیں تھی۔ نزہت خوش ہونا چاہتی تھی لیکن اگر یہ سب اسفند کی قیمت پر تھا تو اسے یہ سب نہیں چاہیے تھا۔ اسے لگا تھا چار دن اسے جلانے کے بعد وہ اسفند کو دوستوں کی فہرست سے از خود خارج کر دے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اسفند کو لے کر گھر تک آ گئی تھی اور اسے حیرت تھی کہ اس پر پابندیاں لگانے والوں کو اس میں کوئی قباحت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس کا تو گھر کوئی فون ہی آ جاتا تو جیسے قیامت آ

www.zemtime.com
ZEMTime

جاتی تھی لیکن یہاں وہ ایک انجان مرد کو گھر میں لے آئی اور کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔

اس روز اسفند اسے لینے گھر آیا تھا۔ وہ دونوں کہیں جا رہے تھے۔ براؤن رنگ کے میلے ہوئے ٹراؤزر شرٹ میں وہ دنیا جہان سے بیزار بیٹھی تھی۔ دو دن پہلے کے دھلے بال بے ترتیبی سے جوڑے سے نکل کر چہرے کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔

نک سک سے تیار اسفند کے سامنے اسے اپنا آپ بہت میلا لگ رہا تھا لیکن وہ دل کی پہلی خوشی تھا۔ اس کی قربت، اس سے مختصر ہی سہی گفتگو.. دل کو سکون دیتی تھی۔ آج کل تو وہ یوں بھی بہت بے سکون تھی۔ ہاتھوں سے کپڑوں کی سلوٹیں دور کرتے اس نے زبردستی لہجے میں بشاشت سموئی تھی۔

"کیسے ہو اسفند۔ بہت دنوں بعد دکھائی دیے۔"

"کمال ہے، ایک بندہ سامنے کھڑا ہے اور تم سے بہتر حالت میں ہے اور تم اس سے پوچھ رہی، ہو وہ کیسا ہے اور ویسے بھی جانے تم کس سوگ میں کمرے میں بند ہو کر بیٹھی رہتی ہو ورنہ تمہیں علم ہوتا، اسفند تقریباً ہر روز یہاں آتا ہے۔"

پستہ گرین شرٹ کے ساتھ بلو جینز میں شانوں پر بال بکھیرے وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ ایک لمحے کے لیے نزہت اس کے ہونٹوں سے نکلنے والے شعلوں کو بھول گئی تھی۔ ایسے میں اگر اسفند اس پر دل ہار گیا تھا تو کون سی بڑی بات تھی۔ اس کے سامنے اسفند کا ہاتھ پکڑے وہ ٹک ٹک کرتی باہر نکل گئی۔ نزہت کو اس کے جانے کے بڑی دیر بعد ہوش آیا تھا۔ اس دن رات کے کھانے پر فری موجود نہیں تھی۔

"کیا آپ کو فری کی سرگرمیاں معلوم ہیں جن کی وجہ سے وہ رات کے کھانے پر بھی ہمارے ساتھ نہیں ہوتی۔" اس نے بڑے نارمل انداز میں بات شروع کی تھی۔

"کون سی سرگرمیاں؟ دوستوں کے ساتھ گئی ہے شاید۔" ڈیڈی نے پوری توجہ سے جواب دیا تھا۔

"دوستوں نہیں۔ وہ جس لڑکے کے ساتھ پھرتی ہے..."

"کیا تم نے یہی تہذیب سیکھی ہے اپنی بہن کے بارے میں ایسے بات کرتے ہیں؟ تمہارے ڈیڈی مل چکے ہیں اسفند سے بلکہ اس کی فیملی سے بھی۔ جلد ہی ان دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ یہی دن ہوتے ہیں انجوائے کرنے کے۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے ایسی بات نہ سنوں۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی مما نے ٹوک دیا تھا اور ساتھ ہی اچھا خاصا جھڑک بھی دیا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کمرے میں بند ہو کر رونا شروع کر دیتی اور اس وقت تک روتی رہتی جب تک اندر کی بھڑاس نہ نکل جاتی۔ لیکن اس وقت وہ پوری تیاری کے ساتھ بیٹھی تھی اور کچھ اسے غصہ تھا۔

"یہ آپ ہیں مما؟ یاد ہے ابھی کچھ ہفتے پہلے جب ایک کلاس فیلو نے کال کی تھی اور آپ نے اسے کتنی باتیں سنائی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اسے کیسے اتنی چھوٹ دے رکھی ہے آپ نے۔" آخر میں اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی متاسف ہوا تھا۔

"فری جسے پسند کرتی ہے، اسے گھر لے آئی ہے۔ اگر تم کسی میں دلچسپی رکھتی ہو تو بلا لو اسے گھر۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اس طرح رنگ رنگ کے لوگوں سے باتیں نہیں کرتی پھرتی وہ۔ اور کچھ نہیں تو بس یہی لحاظ کر لو کہ وہ عمر میں تم سے بڑی ہے۔"

نزہت کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔ پلیٹ پرے کھسکا کر وہ کمرے میں چلی گئی۔

اس کے بعد اس نے کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کی۔ دو ماہ سے بھی کم مدت میں فری اس گھر سے رخصت ہو کر چلی گئی تھی۔ فری کے جانے کے بعد زندگی جیسے جمود کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ جو اس کے بغیر زندگی اپنے طریقے سے انجوائے کرنے کا سوچا کرتی تھی، ایسے بے یقین ہوئی تھی کہ ہر بات

www.zemtime.com

بھول کر خود کو یہ یقین دلانے میں جت گئی کہ اب اس کی زندگی پر فری نام کی نحوست کا کوئی سایہ تک نہیں لیکن یہ اس کا وہم تھا۔ کچھ نفرتیں محبت سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہیں۔ آنے والے سالوں میں نزہت کو اس بات کا اندازہ بخوبی ہونا تھا۔

☆☆☆

رمضان کا آخری عشرہ شروع ہونے کے ساتھ ہی شمسہ کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔ کتنی لڑکیاں کام کروانے کے لیے آتی تھیں۔ نوریہ کے کپڑے سلائی ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ کچھ رمضان کی عبادات اور کچھ سستی... ہر روز وہ ایک ہی دہائی دے رہی ہوتی۔

"تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں اور میرا کام مکمل نہیں ہو رہا۔"

رمضان میں اماں کی عبادت کا دورانیہ بڑھ گیا تھا۔ اس روز موسمی پھلوں کے چھوٹے چھوٹے شاپروں میں کھجوریں ڈال کر افطاری سے پہلے سارے شاپر تقسیم کرنے تھے۔ صبا مقدور بھر ان کے ساتھ کام کرواتی رہی تھی۔ ایک تو آج سورج نے بھی خوب گرمی برسائی تھی۔ حلق میں جیسے کانٹے اگے ہوئے تھے۔ افطاری کے وقت سب سے بے حال وہی ہو رہی تھی۔

"آپ کمرے میں جا کر لیٹیں۔ میں سمیٹ لیتی ہوں سب۔"

نوریہ کے بار بار اصرار کرنے پر وہ کمرے میں آ کر بے دم ہو کر بستر پر گری تھی۔ اسے لگا تھا لیٹتے ہی نیند آ جائے گی اور وہ پرسکون نیند سو جائے گی۔ ایسا ہی ہوتا لیکن کمرے میں جیسے آگ برس رہی تھی۔ اتنے دنوں سے شمسہ، نوریہ اور سامعہ نے اپنی چارپائیاں فصیح کے ساتھ باہر صحن میں لگا لی تھیں۔ اماں اور ابا بھی رات کا پہلا پہر باہر ہی سوتے تھے۔ انہوں نے تو اسے بھی پیشکش کی تھی لیکن وہ ایسے کھلے میں سب کے سامنے لیٹنے کے خیال سے ہی بے سکون ہو گئی تھی۔ اور اب اس کا جی چاہ رہا تھا سارے لحاظ بھلا کر باہر کسی کے بستر پر جا کر دراز ہو جائے۔ مروت کے مارے کسی نے اسے کون سا کچھ کہہ دینا تھا۔ سوچنے کے باوجود وہ ہمت نہیں کر پائی۔

کمرے کی واحد کھڑکی کے آگے ڈریسنگ ٹیبل پڑی ہوئی تھی اور اس کا صرف ایک ہی پٹ کھل سکتا تھا۔ پردہ ہٹا کر اس نے کھڑکی کھول دی۔ سامنے چارپائی پر وہ جانے اسی کا منتظر تھا۔ کھڑکی کھلتے ہی دونوں کی نظریں ملیں اور اس کی پرشوق نگاہوں کی تاب نہ لاتے اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر جھکا کر کھڑکی چھوڑ دی۔ یہ وہم نہیں تھا۔ ہر وہ پل جس نے اس کے فصیح کی زندگی میں اہم ہونے کے خیال کو تقویت دی تھی، اسے وہم ہی لگتا تھا اور اسے یہ وہم بھی پیارا تھا۔ اس رات جب بھی اس کی آنکھ کھلی اس نے دو پرشوق نگاہوں کو اس کھڑکی پر رکے ہوئے محسوس کیا۔

☆☆☆

آسمان تاریک تھا اور ستاروں کی جلتی بجھتی مشعلیں بڑی واضح اور قریب دکھائی دے رہی تھیں۔ کہیں کہیں سفید بادل ٹکڑیوں کی صورت تیرتے نظر آ رہے تھے۔ اس کے باوجود منظر بڑا روشن لگ رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے آسمان جھک کر اس کی درخشاں پیشانی پر بوسہ دینے والا ہے۔ کھلے آسمان تلے وہ کتنی ہی دیر ساکت لیٹی رہی۔ سارے دن کی بھاگ دوڑ نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ جانے کیا کیا پکایا جانا تھا، وہ تو بس شمسہ کے کہنے کے مطابق ہلکی پھلکی مدد کرتی جا رہی تھی جیسے بادام کی گریوں کو بھگو کر ان کے چھلکے اتارنا اور میوے کی ڈنڈیاں اتار کر صاف کرنا۔ نوریہ کے ساتھ مل کر اس نے کل پکائے جانے والے چاول بھی چنے تھے۔ باہر گلی میں ایک کے بعد ایک موٹر سائیکل زوں زوں کر کے گزرتی جا رہی تھی۔ ایک رونق اور چہل پہل کا احساس تھا۔ آنکھیں موندے وہ وقت کی چاپ محسوس کرنے لگی۔

اس کے دل میں بڑی خواہش تھی ان سب کی

www.zemtime.com

محبتوں کو محبت سے لوٹانے کی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس دن شمسہ نے جب کسی کریم کے ختم ہونے کا ذکر کیا تو اس کی سمجھ میں آ گیا اس نے کیا کرنا ہے۔ وبا کے باعث آن لائن خرید و فروخت کو بڑی تقویت ملی تھی۔ اس نے آنلائن کچھ اشیاء منگوانے کا ذکر کیا تھا اور پورے گھر میں بچ فون صرف فصیح کے پاس تھا۔ اپنا بیگ میں پڑا فون آن کرنے کا اسے خیال ضرور آیا تھا لیکن وہ ابھی بھی ڈھونڈ لیے جانے کے خیال سے ڈری ہوئی تھی۔

"تمہیں جو منگوانا ہے بتا دو۔ بھایا لا دیں گے۔ انہیں سب پتا ہوتا ہے۔" سامعہ نے جھٹ مشورہ دیا۔

"نہیں، میں خود اپنی مرضی سے خریداری کرنا چاہتی ہوں۔ اگر تمہارا بھائی اپنا فون کچھ دیر کے لیے دے دے تو میں آن لائن آرڈر کر لوں گی۔"

یہ کون سی بڑی بات تھی۔ فصیح سے اس کے نام پر جان بھی مانگی جاتی تو شاید وہ تامل نہ کرتا۔ نوریہ جا کر فون لے آئی تھی اور پھر ان چاروں نے مل بیٹھ کر اسکرین پر روشن بازار میں سے چن چن کر مرضی کی چیزیں نکالی تھیں۔ سب سے پہلے تو اس نے کپڑوں کے برینڈز کی ویب سائٹ کھولی تھیں۔ نوریہ کی تو جان تھی اچھے کپڑوں میں۔ باہمی مشورے سے چار پانچ اچھے اچھے لیڈیز سوٹ آرڈر کرنے کے بعد اس نے اپنی مرضی سے دو جینٹس سوٹ آرڈر کیے۔ شمسہ کے لیے اس نے مہنگے برینڈ کی بڑی اچھی فیشنل کٹ منگوائی تھی۔ اس کے بیگ میں رکھے پیسوں سے بڑی آسانی سے ادائیگی ہو سکتی تھی۔ پھر جب سارا سامان پہنچا اور اس نے ساری چیزیں ان کے سامنے یہ کہہ کر رکھیں کہ یہ ان کے لیے ہیں تو ان کے چہرے دیکھنے والے تھے۔

زندگی میں پہلی بار اس نے ایسی خوشی کا ذائقہ چکھا تھا۔ یہ بڑی خالص خوشیاں تھیں۔ نوریہ اپنی طرف سے سب کے کپڑے سلائی کر کے فارغ ہو گئی تھی اور اب ایک دم سے پھر سارا کام نئے سرے سے تیار ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ خوش تھی۔ اتنے مہنگے اور خوب صورت کپڑے تو اس نے خواب میں بھی خریدنے کا، پہننے کا نہیں سوچا تھا۔

شمسہ نے سب سے پہلے اسی کا فیشل کیا تھا۔

اماں بھی اس کے منگوائے کریم رنگ کے اپنے اور مجازی خدا کے سوٹ کو دیکھ کر یکدم حیران اور خوش ہوئی تھیں۔ وہ بھی بہت خوش تھی۔ وہ سوچ رہی تھی ان لوگوں کے پاس خوش رہنے کے لیے کیا کم تھا؟ اس نے دولت کی فراوانی دیکھی تھی لیکن معلوم نہیں کیوں یہ خوشیاں اس کے گھر میں نہیں تھیں۔

شمسہ نے سارے کام روک کر اس کے ہاتھوں پر مہندی سے نقش و نگار بنائے تھے۔ فصیح ابھی تک رکشہ لے کر واپس نہیں آیا تھا۔ صحن میں ملے جلے پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ آج قدرتی موسم بھی اچھا تھا۔ وہ وہیں باہر چارپائی پر لیٹی لیٹی غنودگی میں چلی گئی۔

اماں باورچی خانے سے نکل کر پسینہ پونچھتی بستر کی جانب بڑھیں تو اسے پسینے میں تر اور غیر فطری انداز میں سوئے پایا۔ اس کے چہرے پر خوف تھا اور جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ پتا نہیں بچی کن حالات سے گزر کر یہاں پہنچی ہے۔ پہلی سوچ ان کے ذہن میں یہی ابھری تھی۔ خود تین بچیوں کی ماں تھیں شاید اسی لیے دل اتنا زیادہ نرم تھا۔ نرمی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی چیخ ہونٹوں کے درمیان ہی دب گئی تھی لیکن آنسوؤں پر اس کا اختیار نہیں تھا سو وہ بہتے چلے جا رہے تھے۔ اماں اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئیں۔ کندھے پر دباؤ بڑھاتے انہوں نے اسے اپنی سمت کھینچا۔ "کیا بات ہے؟ کوئی برا خواب دیکھا ہے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں پتا ہے ماؤں کے لمس میں بھی اولاد کے لیے شفا ہوتی ہے؟"

وہ چپ رہی لیکن اس کے دماغ میں ان کے

www.zemtime.com

ان الفاظ سے جانے کون کون سی شبیہیں بننے اور بگڑنے لگی تھیں۔

"ماؤں کی دعا اولاد کے حق میں کبھی رد نہیں ہوتی۔ یہ جو کچھ دن اللہ نے اپنی جناب میں سے مجھے دیے ہیں ناں عبادت کے لیے.. ان میں میں نے جب جب اپنی اولاد کے بارے میں سوچا، تم ان کے ساتھ ہی میری سوچوں میں آتی رہی ہو۔ ہوسکتا ہے۔ اپنی اولاد سے زیادہ دعائیں میں نے تمہارے لیے کی ہوں۔ وہ اس لیے کہ ان دعاؤں کے سوا میں تمہارے لیے اور کچھ نہیں کرسکتی۔

یا شاید ایک اور کام کرسکتی ہوں۔ یہ جو تمہارے دل پر بوجھ ہے ناں... یہ ہلکا کرسکتی ہوں۔ تم مجھے بتاؤ، تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ تمہارے گھر والے کہاں ہیں؟ سچ کہتی ہوں کبھی اس بات کا ذکر تمہارے سامنے بھی نہیں کروں گی غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں اگر تم سے کوئی غلطی بھی ہوئی ہے تو بلا جھجک بتاؤ۔ اس سے تمہیں سکون ملے گا اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے وہ نرمی سے کہہ رہی تھیں۔ اس نے آنکھوں کے ساتھ اپنا دل، اپنا وجود بھی پگھلتا ہوا محسوس کیا۔

☆☆☆

فری کی شادی کیا ہوئی، نزہت بالکل آزاد ہو گئی تھی۔ مما کا دھیان اس کی طرف لگا رہتا۔ جب دیکھو فون پکڑے اس کو ہدایات دے رہی ہوتیں۔

"زیادہ اچھل کود کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ٹک کر گھر بیٹھو اب۔ تھوڑے وقت کی بات ہے پھر چاہے جتنی مرضی لمبی دوڑ لگا لینا۔"

"اسفند سے کہو، تمہیں گراؤنڈ فلور پر کسی کمرے میں عارضی طور پر منتقل کر دے۔ بار بار سیڑھیاں اترنا ٹھیک نہیں ہوتا اس حال میں۔"

"اپنے کھانے پینے پر توجہ دیا کرو۔ موسمی پھلوں کے جوس پیو۔ پھل کھاؤ اور طاقت والی چیزیں کھاؤ۔ نہیں دل چاہتا تو دوائی سمجھ کر کھا لیا کرو۔"

اگر کسی وقت نزہت کی طرف توجہ جاتی بھی تو گزرے چند ماہ میں اس نے کافی کچھ سیکھ لیا تھا جس میں سرِ فہرست ماں کی ڈانٹ ڈپٹ کو نظر انداز کرنا تھا۔ ماں کہتی رہتی لیکن وہ کان لپیٹ کر گھر سے باہر نکل جاتی۔ وہ اگر ڈیڈی سے شکایت کرتیں تو ڈیڈی سے سامنا ہونے پر وہ بالکل فرماں بردار اور مطیع ہونے کی اداکاری کرتی وہ بھی اسے ہلکی سی سرزنش کے بعد بھول بھال جاتے۔ اسے اب ساری دنیا کھلی کھلی لگنے لگی تھی۔ وہ جہاں چاہے جیسے چاہے بیٹھتی، باہر آتی جاتی.. فری کا بھوت اب اسے ستاتا نہیں تھا۔ اتنے سارے مہینے تو ذہن کو نارمل کرتے گزر گئے تھے اور جب چیزیں اسے زیادہ واضح دکھائی دینا شروع ہوئیں تب ایک بار پھر فری نے اس کی زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔

سی سیکشن کے دوران وہ جان سے چلی گئی تھی۔ نزہت کے لیے اچھا تھا، وہ کل کی مرتی آج مر گئی لیکن جاتے جاتے وہ ایک بچی چھوڑ گئی تھی۔ مما شوگر کی مریضہ تھیں اور بچی کی ذمہ داری نہیں لے سکتی تھیں اور یوں ضوفشاں اسفند نوکرانیوں کے رحم و کرم پر تھی۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن اس دن مما کی کوئی کزن آئی ہوئی تھیں۔ مما سے فری کی تعزیت کرتے انہوں نے کہا "میں تو کہتی ہوں نزہت کی شادی کروا دو اس لڑکے سے۔ بچی کو ماں مل جائے گی۔ آخر تم نے بھی تو تایا زاد بہن کی بیٹی پالی ہے۔"

تو زندگی کی ساری ناانصافیوں کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مما کی اپنی بیٹی نہیں تھی۔ اسے ہمیشہ سے گلہ تھا کہ مما فری سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔ ڈیڈی اس کی بات زیادہ سنتے ہیں لیکن اس طرح نہیں تھا۔ مما کی شہ پر اس کی اپنی شخصیت میں جو خود اعتمادی کا فقدان پیدا ہو گیا تھا، اس کے باعث وہ ڈیڈی کے بھی قریب نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا ہوا تھا۔ اگر وہ جان جاتی کہ مما اس کی مما نہیں ہیں اور فری اس کی بہن نہیں ہے تو شاید وہ اپنے گرد کوئی حفاظتی حصار بنا لیتی لیکن نہیں۔

ان دنوں اس کے اندر بڑی ٹوٹ پھوٹ ہوئی

www.zemtime.com

تھی۔ وہ ماں جس کے لمس اور عکس سے ناآشنا اس نے زندگی کا کٹھن سفر تن تنہا طے کیا تھا، وہ دھاڑیں مار مار کر اس کے لیے روئی تھی۔ سب کے ساتھ ساتھ مما کو بھی دھوکا ہوا کہ وہ فری کے لیے رو رہی ہے۔ اسے فری کا دکھ ہے۔

تین ماہ کی قلیل مدت میں مما بھی راہی عدم ہوئیں تو ڈیڈی بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ ایک حبس زدہ رات کو انہوں نے اسے کمرے میں بلوایا۔

"مجھے اپنی زندگی کا بھروسا نہیں، اس لیے مرنے سے پہلے میں تمہیں تمہارے گھر کا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم اپنی زندگی کے بارے میں جو بھی فیصلہ کرو گی، مجھے قبول ہوگا، ہو سکے تو اس بچی کا خیال کرنا۔" انہوں نے صاف سیدھی بات کی تھی۔

"کیا آپ مجھے بتائیں گے، آپ کی مما سے شادی کیسے ہوئی اور میری مما کو کیا ہوا تھا؟" اس نے باپ کو جھٹکا کھاتے دیکھا تھا۔

"تمہاری ماں... اس نے... وہ فری کے باپ کے ساتھ گھر سے چلی گئی تھی۔" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے لبوں سے نکلے تھے۔ "میں نے اسے طلاق دے دی اور تمہاری مما کو اس کے پہلے شوہر نے۔ وہ دونوں اپنی دنیا کہیں پہلے بسا چکے تھے لیکن ہم اجڑ گئے تھے۔ خاندان والوں کے باہمی مشورے سے اور کہہ لو ایک طرح کا دباؤ تھا ہم دونوں پر، تو ہم نے زندگی کو وہیں سے جوڑنے کی کوشش کی جہاں سے سلسلہ ٹوٹا تھا۔ وہ جو جوڑ تھا... ساری زندگی جوڑ ہی رہا لیکن بہرحال زندگی گزر گئی۔ انہوں نے گہری سانس بھری۔ "یہ اچھا ہے کہ تم حقیقت جانتی ہو۔ اس طرح تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے گی۔ دیکھ لو اگر تم اسفند سے تعلق جوڑنا چاہتی ہو... ورنہ تمہاری زندگی ہے تم جیسے چاہو گزار سکتی ہو۔"

یہ پہلی بار تھا جب اسے لگا کہ وہ ڈیڈی کے قریب ہے بہت قریب۔ ان کی بیٹی ہونے کو اس نے پوری طرح محسوس کیا تھا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں ڈیڈی؟"

"میں چاہتا ہوں، تم اپنے گھر میں خوش رہو، آباد رہو۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں، ضوفی کو ماں کی کمی نہ محسوس ہو۔ کیا یہ دونوں چیزیں ممکن ہیں؟"

اس نے ڈیڈی کا جواب جان لیا تھا۔ اسفند اسے پہلے بھی پسند رہا تھا۔ اگر فری درمیان میں نہ آتی تو شاید اس کی اور اسفند کی کوئی کہانی بنتی۔ اس نے جذباتیت میں ہاں کہنے میں دیر نہیں کی تھی لیکن یہاں معاملہ صرف اس کی زندگی کا نہیں تھا۔ اسفند نے قطیعت سے اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

"میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

اتنے واضح انکار کے بعد بھی وہ اسے جانے نہیں دے سکتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کے دل میں اپنی محبت کا چمن اگا سکتی ہے۔ وہ اس کی پہلی خواہش تھا اسے یوں تو نہیں جانے دیا جا سکتا تھا۔

"مجھے کوئی اور بچہ نہیں چاہیے۔"

اس بات پر اس کا دل دکھا تھا لیکن یہ تو جذباتی باتیں ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ زندگی تھوڑی گزرنی ہے۔ اس نے مان لی تھی یہ شرط اور پھر ضوفشاں اسفند نہ چاہتے ہوئے بھی ذمہ داری بن گئی۔

مما سے بیزاری، فری سے نفرت اور اس پر طرہ یہ کہ ضوفشاں شکل و صورت میں فری کا پرتو تھی۔ اس کی آنکھوں کا سبز سنہری رنگ اور چہرے کے تیکھے خدوخال سب کچھ ابھی سے واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اسفند کی اس کی ذات میں عدم دلچسپی نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا تھا۔ میں اسے اس بچی سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔ وہ جانتی تھی اس بچی کا قصور نہیں، اس لیے اس پر ترس بھی آتا تھا۔ ایک بار وہ اسے چومتی تو دس بار اسے اپنے زخموں کو رفو کرنا پڑتا۔

وہ ہر محاذ پر اکیلی لڑ رہی تھی۔ اس کے ساتھ جو ہوا اور پھر اسفند کی بے اعتنائی.... اچھی زندگی کے سارے خواب اوائل دنوں میں ہی چکنا چور ہو گئے تھے۔ ڈیڈی کی وفات اس کے حالات کی قبر میں آخری کیل ثابت ہوئی تھی۔ ضوفشاں بڑی ہو رہی

www.zemtime.com
ZEMTime

تھی۔ نزہت کو چلتی پھرتی فری نظر آتی تھی۔ اسفند جس طرح اس کے ناز نخرے اٹھاتا، اسے سب دکھائی دیتا تھا اور اس کے سینے پر سانپ لوٹتے تھے۔

ان جانے میں وہ مما کا کردار ادا کرنے لگی تھی لیکن اسفند اس کا باپ نہیں تھا جو اپنی بیٹی کی طرف سے آنکھیں بالکل بند کر لیتا۔ ضوفشاں کے ساتھ ساتھ اس کی نفرت اپنی ماں اور فری کے بعد اسفند سے بھی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

وہ اسفند کے دل میں ضوفشاں کے لیے نفرت اور اپنے لیے محبت پیدا نہیں کر سکی۔ وہ اسفند کو ایک اور بچے کے لیے راضی نہیں کر سکی۔ یہ فری تھی، ضوفشاں تھی جس کی وجہ سے اس کی زندگی جہنم ہوئی اور یہ سارے حساب چکانے کا موقع قدرت نے تیمور کی شکل میں فراہم کیا تھا۔ تیمور ڈیڈی کے آبائی گاؤں سے آیا تھا اور نزہت سے چاہتا تھا کہ وہ اسفند سے کہہ کر اس کو کہیں جاب پر لگوا دے۔ اس نے سب سے پہلے تو اس کے کاغذات قبضے میں کیے تھے۔

"میں اسفند کو تمہارے پیپرز دکھا دوں گی تاکہ تم سے ملنے سے پہلے ہی اس کا ذہن بنا سکوں۔ تم دو دن بعد آنا۔"

یہ دو دن اس نے سوچنے کے لیے لیے تھے۔ گاؤں کا ہونا اس کے لیے شاید شرمندگی کا باعث تھا اسی لیے شہری نظر آنے کے چکر میں عجیب مضحکہ خیز نظر آ رہا تھا۔ شاکنگ پنک شرٹ کے ساتھ پیلے رنگ کی پینٹ میں عجیب جوکر لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر نزہت کے دل میں جو پہلا خیال آیا تھا وہ اس پر سوچنا چاہتی تھی۔ یہ سوچنا چاہتی تھی کہ اس کا منصوبہ کس حد تک قابلِ عمل ہے۔

اسفند ملک سے باہر تھا اور وبا کی وجہ سے انٹرنیشنل فلائٹس بند تھیں، جو کہ نامعلوم مدت تک بند رہنی تھیں۔ زیادہ سوچنے کا تردد کیے بغیر اس نے ایک زہریلا منصوبہ تشکیل دیا تھا۔ دو دن بعد جب وہ لڑکا آیا تو اس نے اپنا سارا راز ہر اس کے سامنے اگل دیا۔

"میرے اسفند کے ساتھ کچھ اچھے تعلقات نہیں ہیں، اس لیے میری وجہ سے تو وہ تمہیں نوکری پر لگوائے گا نہیں بلکہ لگتے بھی ہوئے تو وہ کہیں لگنے نہیں دے گا کیونکہ میں نے تمہاری سفارش کی ہے۔"

"اوہ.. تو پھر میں کیا کروں؟" وہ بے وقوفی سے منہ کھولے پوچھ رہا تھا۔

"میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔"

"کیا آپ مجھے کہیں نوکری پر لگوا سکتی ہیں؟"

"نہیں، یہ مدد اس طرح کی نہیں بلکہ یہ سمجھ لو تم میرا کام کرو گے اور میں تمہیں اس کے بدلے میں اتنے پیسے دوں گی کہ تم اپنا چھوٹا موٹا بزنس شروع کر سکو۔"

وہ چاہتی تھی یہ لڑکا ضوفشاں کی شکل میں فری کو روند ڈالے اور پھر وہ اسفند کو بتائے کہ لڑکیوں کو ڈھیل دینے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اسفند کو وہ یہی بتاتی کہ یہ لڑکا ضوفشاں نے خود بلایا تھا۔ اس کے بعد اسفند کے لیے اس کی شادی اس سے کر کے گھر سے نکالنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہتا تھا۔ شادی تو اس کی یوں بھی اسفند کہیں نہ کہیں کر ہی دینے والا تھا لیکن وہ فری کی ہار دیکھنا چاہتی تھی۔

اسفند غیر ملکی دورے پر تھا۔ اور اس دوران وہ سارا کھیل سرانجام دے سکتی تھی۔ سارے معاملات باریکی سے ترتیب دیتے اسے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں لگا کہ معاملہ اس طرح بھی بگڑ سکتا ہے۔ عین وقت پر وہ مکر گیا تھا۔

"میں نے بہت سوچا ہے، میں نہیں کر سکتا۔ میں ایسے کسی کی زندگی خراب نہیں کر سکتا۔"

تیمور ضرورت مند تھا۔ گاؤں کا سیدھا سادہ لڑکا تھا لیکن وہ بے ضمیر نہیں تھا۔ اس کے کاغذات دوبارہ بن سکتے تھے، وہ جانتا تھا۔ ان کے لیے جان اتنے جوکھم میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

"میں تمہیں یہ سب بیچ میں چھوڑ کر جانے کی

www.zemtime.com

اجازت نہیں دے سکتی۔ تمہیں... ہر حال میں میری مدد کرنی ہوگی۔"

"آپ کا مسئلہ اس لڑکی سے جان چھوڑنا ہے ناں؟ اگر کچھ کیسے بنا اس لڑکی سے جان چھوٹ جائے تو؟"

"کیسے؟" وہ سراپا سوال بن گئی۔

☆☆☆

وہ مقررہ دن اس گھر پہ پہنچا جہاں نزہت نے بساط بچھائی تھی۔ کیمرے کی زد میں آئے بغیر گھر میں داخل ہونے کا راستہ نزہت نے اسے پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ اس نے کچھ نہیں کیا تھا۔ صرف چند باتیں... جو اس کے اور نزہت کے درمیان ہوئی تھیں۔ اپنی طرف سے اس نے ضوفشاں کو خبردار کر دیا تھا۔

"تمہاری ماں نے بھیجا ہے مجھے اور مجھے تو اپنے لیے بھی اس عورت پر اعتماد نہیں۔ اس لیے اپنی حفاظت کے لیے جتنی جلدی ہو سکے نکل جاؤ یہاں سے۔"

"کیا مطلب؟"

جواباً اس نے مختصر ساری کتھا کہہ سنائی۔

"میں کہاں جاؤں گی؟" وہ ششدر کھڑی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔ میں یہاں سے اپنے گاؤں نکل جاؤں گا اور چند دن بعد آ کر کہہ دوں گا، مجھے تم نہیں ملیں۔"

"میرے پاپا..."

"ان کے آنے تک کچھ نہیں بچے گا۔ میں نہیں تو کوئی اور وہ سب یا اس سے بھی زیادہ برا کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ میں بس آگاہ کر سکتا تھا۔ اس سے آگے نمٹنا تمہارا اپنا کام ہے۔"

وہ جانے کے لیے مڑا تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی نکل آئی۔

"تم بے وقوف ہو؟ تمہیں کسی نے میرے ساتھ دیکھ لیا تو میری زندگی الگ عذاب ہو جائے گی۔"

چھوٹے سے بیگ میں کپڑے ٹھونستے نقدی اور زیورات رکھنے کا مشورہ بھی اسی نے دیا تھا۔

"منہ سر لپیٹ کر نکلو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ سکے اور کرائے وغیرہ کے پیسے لے لو تاکہ آسانی سے کہیں دور نکل سکو بلکہ جو جو لے جا سکتی ہو لے جاؤ۔ اپنا فون یہیں آف کر دو ورنہ کل کلاں کو ٹریس ہو گیا تو کیا پتا پھر کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے۔"

اتنے گراں قدر مشوروں کے ساتھ اس نے بڑی مہارت سے اس کا چہرہ چھپانے میں بھی مدد کی تھی اور یہ وہی رات تھی جب وہ صبح حیدر کو ملی تھی۔

☆☆☆

عید کا دن روزمرہ سے ہٹ کر بہت اجلا اور چمکیلا تھا۔ ضوفشاں کے لیے تو روئے زمین پر پہلی عید اتری تھی اور کیا ہی سعید عید تھی۔ نوریہ نے جی جان لگا کر ضوفشاں کے سب کے لیے منگوائے کپڑے سلائی کیے تھے اور اماں سمیت سب بہنوں نے وہی کپڑے پہنے تھے۔

کسی درزی نے ابا اور فصیح کے کپڑے نہیں پکڑے ورنہ فصیح نے تو بہت کوشش کی تھی کہ وہ بھی اس کا پسند کیا لباس پہنے۔ خود اس نے وہی سوٹ پہنا تھا جو اماں نے رمضان سے پہلے ہی لا کر نوریہ کو سلائی ہونے دے دیا تھا۔ مونگیا سبز رنگ کی شلوار قمیص میں اس کی گوری رنگت دمک رہی تھی اور کچھ خوشیوں کا عکس تھا۔ مہندی سے سجی کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں بھری ہوئی تھیں۔ اماں نے بطور خاص اس کی نظر اتاری تھی۔

"یہ تم ابھی تک ایسے ہی کیوں پھر رہی ہو؟" باورچی خانے اور کمرے کے درمیان چکر کاٹتی نوریہ کو شمسہ نے پکارا۔

"تو اور کیا کروں؟ ابھی تک میرا مولف لگنے والا ہے اور ساتھ والوں کے گھر سویاں بھجوانے کا کہہ رہی ہیں اماں۔ تم تو کمرے سے باہر نہیں نکل رہی تھیں۔" وہ تپی ہوئی تھی۔

www.zemtime.com

"تو کس نے کہا تھا، عید تک سوٹ لٹکانے کو؟ جاؤ جا کر اپنے کپڑے دیکھو۔ میں دیکھ لیتی ہوں یہاں۔"

اس کی بات پر نوریہ کمرے کی طرف بھاگی تھی اور شمسہ باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ تب ہی وہ بھی پانی لینے آ گئی۔

"مجھے بھول ہی گیا کہ آج روزہ نہیں ہے۔ کب سے پیاس لگی ہے۔" وہ ہنسی۔

"ایسے ہی ہوتا ہے۔ خود مجھے کتنے دن تک یہی وہم رہتا ہے کہ میں روزے سے ہوں۔"

"السلام علیکم۔۔ عید مبارک"

باہر ابا اور فصیح عید کی نماز پڑھ آئے تھے۔

"ایک منٹ یہ پلیٹوں میں نکالتا، میں عیدی لے کر آتی ہوں۔" شمسہ آناً فاناً باہر نکل گئی تھی۔

اس نے ذرا سا اوٹ میں ہو کر باہر دیکھا۔ سامعہ ابا کے بازو سے لٹک رہی تھی اور شمسہ فصیح سے بات کر رہی تھی۔ اسے پاپا یاد آئے تھے۔ پتا نہیں ان کی عید کا رنگ کیسا ہوگا۔ دل کے اندر گہری اداسی اتری تھی۔ فصیح نے نظر اٹھا کر اس سبز پری کو دیکھا تھا۔ کسی سوچ میں گم اس کے گلابی ہونٹ ذرا سے کھلے ہوئے تھے۔ بے ساختہ اس کی نگاہ گلاب کی باڑ کی طرف گئی۔

"تم بھی ابا سے مل لیتیں۔ تمہیں بھی عیدی ملے گی۔" شمسہ واپس آئی تو اس کے گال خوشی سے تمتما رہے تھے۔

وہ سر نیچے کیے کھڑی رہی اور پھر خاموشی سے نکل کر باہر آ گئی۔ پتا نہیں کیوں دل اچانک ہی ہر شے سے اچاٹ ہوا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے دنیا میں اس کا صرف ایک رشتہ تھا اور وہ بھی اس سے گم ہو گیا ہے۔ جامن کے تنے سے ٹیک لگائے وہ جیسے سب سے چھپ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اماں کے آواز دینے تک وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ یہ پہلا دن تھا جب ان پرخلوص لوگوں کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اس کا دل وہاں نہیں تھا۔ وہ کسی طرح پاپا کو دیکھنا چاہتی تھی۔ ان سے ملنا چاہتی تھی اور رہ رہ کر اسے رونا آ رہا تھا۔

یہ گھرانہ ایسا مہمان نواز تھا کہ سارا دن گھر میں مہمانوں سے رونق لگی رہی۔ وہ سارا دن کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے لیکن اس سے جو بھی ملا، بہت محبت سے ملا تھا۔

سہ پہر میں جب شمسہ اور نوریہ خوش اسلوبی سے مہمان نوازیاں نبھا رہی تھیں، سامعہ اس کے پاس کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ اداس ہیں؟"

اس کا دل نہیں چاہا بچی کو پریشان کرنے کا "نہیں بس ذرا سر میں درد ہے۔" واقعی اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔

"میں دبا دوں؟"

"ارے نہیں۔ ہو جائے گا خود ٹھیک۔ میں کھانا کھا کر پین کلر لے لوں گی۔ آپ یہ بتاؤ، آج کتنی عیدی ملی؟" وہ اسے باتوں میں بہلانے لگی۔

"ابھی گنتی نہیں کیے۔ برکت نہیں ہوتی ناں۔"

ضوفشاں کو اس کی معصومیت پر پیار آیا تھا۔

"آپ کو کتنی عیدی ملی؟"

"مجھے تو نہیں ملی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ابا نے بھی نہیں دی اور بھایا تو ضرور دیتے ہیں عیدی۔ انہوں نے بھی نہیں دی؟"

اس نے بتایا نہیں کہ وہ ان کے پاس گئی ہی نہیں۔ "آپ کو پتا ہے، ایک لڑکی ہے جو مجھ سے بھی بہت زیادہ پیاری ہے۔" اس نے موضوع بدلا۔

"ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے تو اصل میں جو سب سے پیاری لڑکی دیکھی ہے وہ آپ ہیں۔"

"ہے ایک لڑکی۔ اگر آپ نے دیکھنی ہو تو میں دکھا سکتی ہوں۔"

سامعہ کچھ دیر پہلے تو سوچتی رہی پھر اثبات میں سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے آپ دکھائیں لیکن پھر میں بتاؤں گی مجھے وہ لڑکی کتنی پیاری لگی ہے۔"

"نہیں ایسے نہیں ہوتا ناں۔ اب مجھے وہ سب

www.zemtime.com

سے پیاری لگتی ہے۔ اگر آپ یہ کہو، وہ آپ کو کم پیاری لگی ہے تو مجھے برا لگے گا ناں۔"

"اچھا نہیں کہتی۔"

ضوفشاں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر شیشے کے سامنے لے جا کھڑا کیا۔ ایک بار تو اس نے نا سمجھی سے ضوفشاں کی جانب دیکھا اور پھر شرما کر واپس بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔

"ہے نا سب سے پیاری؟"

"میں آپ کو پیاری لگتی ہوں؟" وہ کچھ سوچنے کے انداز میں پوچھنے لگی۔

"سب سے پیاری۔"

"اور میرے بھایا؟"

ضوفشاں کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ سارا درد سر ہوا ہو گیا تھا اور وہ چستی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔ وہ بھلا اس بات کا کیا جواب دے سکتی تھی؟ اور وہ اس سے ایسی بات پوچھ ہی کیوں رہی تھی۔ اس کی خاموشی اس چھوٹی سی لڑکی پر بہت بھاری تھی۔

"میرے بھایا آپ کو پیارے نہیں لگتے؟"

"اچھے ہیں تمہارے بھایا، کیوں نہیں اچھے لگیں گے۔"

"اچھے تو وہ بہت ہیں۔ آپ ابھی جانتی نہیں ناں انہیں۔ بس یہ بتائیں، وہ آپ کو پیارے لگتے ہیں یا نہیں؟"

"آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"وہ بھایا کہہ رہے..."

"سامعہ بیٹی ذرا جگ میں ٹھنڈا پانی تو لے کر آ۔"

کسی رحمت کے فرشتے کی طرح ابا نے اسے آواز دے کر بلا لیا۔ بات ادھوری ہی رہ گئی۔ اور پھر اس ادھوری بات کو پورا کرنے کے لیے وہ خود آ گیا۔ شام کا پہر دھیرے دھیرے سرک رہا تھا اور رات کا ریشمی اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ سارا دن سورج نے جی بھر کر پیار لے لیے تھے یہی وجہ تھی گرمی آج پہلے سے زیادہ تھی۔ صبح ابھی نوریہ اور شمسہ کو ان کی کسی سہیلی کے گھر چھوڑ کر آیا تھا۔ سارا دن اچھل کود کرنے کے بعد سامعہ شام کی اذان سے پہلے سو گئی تھی اور پھر اماں کے اٹھانے پر بھی نہیں اٹھی۔ وہ گھر پہنچا تو اماں کھانا گرم کر رہی تھیں۔

وہ یقیناً کمرے میں تھی۔ صبح سے وہیں چھپی ہوئی تھی۔ ایک آدھی ادھوری جھلک کے بعد سارا دن وہ دکھائی نہیں دی تھی اور صبح نے جو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر زندگی میں پہلی بار ایک خواہش کی تکمیل میں چاندی کے جھمکے لیے تھے، ابھی بھی اس کی جیب میں رکھے ہوئے تھے۔ اماں اس کی آمد سے بے خبر تھیں اور اسی بے خبری کا فائدہ اٹھا کر وہ چپکے سے اس کمرے کی طرف آ گیا جو کبھی اس کا ہوا کرتا تھا۔

وہ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر آئی تھی اور کندھے پر جھولتے لان کے دوپٹے سے چہرہ تھپتھپا رہی تھی۔

"عید مبارک کہنے والے کو عیدی ملتی ہے۔ آپ سے یہ دو لفظ تو کہے نہیں گئے اور گلہ یہ کہ آپ کو عیدی نہیں ملی۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ جیسے بڑی فرصت سے آیا تھا۔

ضوفشاں کی جان پر بن آئی تھی۔ پتا نہیں اس سامعہ کی بچی نے اس سے جا کر کیا کہہ دیا تھا۔ "میں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا۔"

"اور کیا کیا آپ نے نہیں کہا تھا... میرے بارے میں؟"

"میں نے... میں نے تو اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ آپ نے شاید کچھ کہا تھا۔" دوپٹہ سر پر ڈالتے اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"اس کی خواہش تھی کہ میں چاند چرا کر اپنا آنگن سجا لوں۔ میں نے اسے کہا آسمان کا چاند آسمان پر پیارا لگتا ہے۔ اگر جھیل کے پانی میں اتر آئے تو اسے اپنا بنانے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ وہ نا سمجھ ہے... اور دل بھی۔" آخری بات تک اس کی دھیمی آواز مزید دھیمی ہو گئی۔ ضوفشاں کا دل کنپٹیوں پر آ کر دھڑکنے لگا تھا۔

www.zemtime.com

دو قدم آگے آ کر اس نے ایک چھوٹا سا ڈبیہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔ آئینے میں ان دونوں کا عکس بڑی مکمل تصویر بنا رہا تھا۔ "عید مبارک" اس کے ہونٹ کانپتے عکس کو شیشے میں چھو کر وہ واپس مڑ گیا۔

"ہو سکتا ہے آنکھ کی جھیلوں میں اترنے والی وہ شبیہ، جسے آپ چاند سمجھ رہے ہوں وہ یہیں کہیں اس زمین کا کوئی دیا ہو اور قابلِ رسائی بھی۔"

وہ جاتے جاتے پلٹ آیا تھا۔ "اگر آپ کہیں تو میں کوشش کر کے دیکھوں؟"

اس کے لہجے میں کتنا اشتیاق تھا۔ اس نے پلکیں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں جلتے دیوں کی آنچ سے ضوفشاں اسفند موم سے بنی گڑیا جیسے پگھلنے لگی تھی۔ بمشکل اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میری عید مبارک کرنے کا شکریہ۔" سرگوشی میں کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور ضوفشاں نے رکے ہوئے سانس بحال کرتے تمتماتے گالوں کے ساتھ وہ ڈبیہ اٹھالی۔ اس رات جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو نیند میں وہ جھمکے اور آنکھوں میں بہت سارے خواب تھے جن کے دھاگے باہر صحن میں تاروں پر نظر جمائے اسے سوچتے صبح سے جا ملتے تھے۔ ابھی انہیں معلوم نہیں تھا خوابوں کی عمر تھوڑی ہوا کرتی ہے۔

☆☆☆

نزہت کو لگا تھا، ضوفشاں کے جانے سے اس کے دل میں برسوں سے جلتی آگ سرد ہو جائے گی۔ یہ تو اسے پتا ہی نہیں تھا کہ اسفند کے سینے میں بھی کوئی چنگاری چھپی ہے جو باہر نکل کر سب کو تہس نہس کر دے گی۔

اس نے ایک لمحے کے لیے بھی نزہت کی بات پر یقین نہیں کیا تھا کہ ضوفشاں خود گھر چھوڑ کر گئی ہے۔

"مجھ پر اعتبار نہیں تو سی سی ٹی وی فوٹیج نکلوا کر دیکھ لو۔ وہ خود گئی ہے اور کہاں گئی ہے، یہ میں نہیں جانتی۔"

"دعا کرو نزہت! میری بیٹی مجھ سے صحیح سلامت آ ملے ورنہ میں تمہارا جو حشر کروں گا، تمہاری سوچ بھی نہیں ہو گی۔" اس کے انداز سے ٹپکتی سفاکیت سے نزہت کی روح تک کانپ گئی تھی۔

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"تم.. تم نے جو جو کرنے کی کوشش کی ہے میں سب جانتا ہوں۔ میں نے اپنی بیٹی کی طرف سے آنکھیں بند نہیں رکھیں اور اگر اس کے غائب ہونے میں تمہارا ہاتھ ہوا تو مجھے تمہیں پولیس کے حوالے کرتے ہوئے ذرا سا بھی افسوس نہیں ہو گا۔"

یہ بات کہتے ہوئے بھی اسفند کو یقین نہیں تھا کہ واقعی ضوفشاں کی گمشدگی میں اس کا کوئی ہاتھ ہو گا۔ یہ ٹھیک ہے، وہ اسے ناپسند کرتی تھی لیکن اس حد تک وہ نہیں گر سکتی کہ اس کی بیٹی کے ساتھ کچھ غلط کر سکے۔ پھر مین گیٹ کے سی سی ٹی وی میں اس نے ضوفشاں کو خود منہ لپیٹ کر بیگ لیے جاتے دیکھا تھا۔

اس نے پولیس کو انوالو نہیں کیا تھا لیکن اپنے ذاتی ذرائع سے اسے ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ جانے وہ پاتال کی کون سی گہرائی میں جا چھپی تھی کہ اس تک جانے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔

اور جب وہ ہر طرف سے قریباً ناامید ہو چلا تھا تو اب اس کا نشان ملا تھا۔ گھر کی ملازمہ عید کی چھٹیوں میں کسی عزیز گھر کے گئی تھی اور وہیں اس نے ضوفشاں کو دیکھا تھا۔

پتلی سی گلی سے گزرتے وہ اپنے ساتھ چلتی لڑکی سے بات کر رہی تھی۔ جتنی دیر میں ملازمہ نے اس کی آواز اور چال ڈھال سے اسے پہچانا، وہ سڑک پر کھڑے رکشے تک جا پہنچی تھی۔

"میں صاب جی آواز دی ضوفی بی بی۔ اس نے سنا ہی نہیں، رکشے میں بیٹھ گئی۔ رکشے والا کوئی جانن والا لگ راتھا۔ وہ جی بس اک منٹ میں نکل گئے۔"

ہاں، یہ بہتر ہوا کہ اس نے رکشے کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور اس کے بعد سب آسان تھا۔

☆☆☆

www.zemtime.com

آنچل میں زندگی کے کانٹے نہ پھول ہیں
کچھ خواب تھے سو آج وہ راہوں کی دھول ہیں
اک وقت تھا کہ نام سے یاتے تھے زندگی
اور آج ان کو دیکھ کر کتنے ملول ہیں

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اسفند کی تصویر پر نظریں جمائے نزہت جانے ماضی کے کس دریچے کو وا کیے بیٹھی تھی۔ جب ضوفشاں نے اسفند کے ساتھ گھر میں قدم رکھا تھا۔ وہ وقت اس کے لیے یوم حساب ہوا تھا۔ وہ اندر تک کانپ گئی تھی، آنے والے لمحوں کا سوچ کر۔ تو وہ فری کے بعد فری کی بیٹی کے سامنے بھی ذلیل و رسوا ہی ٹھہری۔ اس عمر میں جب بالوں میں چاندی جھلکنے لگی تھی، کیا ہو سکتا تھا لیکن اسفند کی پہلی بات نے ہی اسے گرداب سے نکال کر سنسان اندھیرے جزیروں پر لے جا پھینکا تھا۔

"میرا دل چاہا تھا، میں تمہیں گولی ماردوں یا تمہارا گلا دبا کر، رفتہ رفتہ تمہاری جان نکلنے کا منظر دیکھوں۔ جیسے تم میری بے بسی کا تماشا دیکھتی رہیں۔ تم سے کس نے زبردستی کی تھی مجھ سے شادی کے لیے؟ میری محبت سے مجبور ہو کر تم نے خود مجھ سے شادی کی خواہش کی تھی، ایک بچی کا باپ ہونے کے باوجود، یاد ہے؟" وہ چبا چبا کر بول رہا تھا۔

"ہاں اس بات سے بہت کچھ یاد آیا تھا اسے۔ وہ عذاب جو اس کے چھن جانے پر جان پر گزرے تھے اور وہ بھی جو اس کے ساتھ اس گھر میں گزرے۔ تو وہ جانتا تھا، وہ اس کی محبت میں مبتلا رہی ہے۔ اس کے باوجود اس نے جو سلوک اس کے ساتھ روا رکھا،

رائیگانی کا دکھ ایک اور طرح سے اس پر وارد ہوا تھا۔ اسے لگا تھا وہ اسفند کو کبھی دکھائی نہیں دی لیکن وہ اسے دکھائی دیتی تھی۔ اسے سمجھتا بھی تھا۔ لیکن وہ اسے جان بوجھ کر نظر انداز کرتا رہا۔

ایک جیتے جاگتے وجود کی نفی کتنا مشکل کام ہو سکتا ہے.. وہ سمجھ سکتی تھی لیکن وہ شخص بڑی سہولت سے یہ کرتا رہا تھا۔ وہ اسے برا بھلا کہتا رہا۔ آخر میں اس نے اسے گھر سے نکل جانے کا کہا تھا۔ ساری عمر اس کے گھر میں بے وجہ بیگار کاٹنے کے بعد اب اسے آزادی مل رہی تھی۔ یہی اگر وہ شروع میں کر دیتا تو شاید وہ زندگی کو کسی اور نظر سے دیکھنے کی صلاحیت حاصل کر لیتی۔

"تمہارا گھر ہے، میرا کیا ہے۔ میرا جرم تمہاری عدالت میں ثابت ہوا اور دنیا کی ہر عدالت میں یہی فیصلہ ہوگا لیکن جو تم نے کیا، جو تم نے میرے ساتھ کیا۔ اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم سب ایک ہی نیچ ذات کے نکلے۔ کم ظرف... میں بھی تم جیسی ہی ہوں۔ پھر اس گھر سے میں ہی کیوں نکلوں؟ تم بھی میرے ساتھ نکلو۔"

اجلے نکھرے بالوں کے ساتھ خلاؤں میں نظریں جما کر بولتی وہ جیسے اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

"تم جانتے تھے، میں تمہیں چاہتی ہوں اور آج میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں، میری یہ چاہت یک طرفہ نہیں تھی، پھر وہ فری.. وہ تمہیں پتنگ بنا کر لے اڑی۔ تم اس کے ساتھ چل دیے۔ تمہیں تو مجھ سے بہتر مل گئی تھی، تم مجھے کیوں یاد کرتے؟ لیکن میرے پاس کیا تھا؟ ہاں یہ میری غلطی کہ فری کے بعد بھی تمہاری محبت کے پاگل پن میں تم سے شادی کر لی۔ مجھے کیا ملا؟ سونی کو کھ؟ تمہاری بے اعتنائی اور بے رخی؟ تب میرا کیا جرم تھا؟ تم سے محبت... تم سب نے مجھے انسان سمجھا ہی نہیں۔ ایک کے بعد ایک شخص نے اپنے بدلے نکالے مجھ سے.."

"میں نے تمہیں یہ بات پہلے ہی بتا دی تھی تم نے سونی گود کیوں قبول کی؟ رہی چاہت کی بات تو وہ صرف پسندیدگی تھی۔ فری میری محبت تھی جو مجھے اس سے آج بھی۔"

جب خدوخال بگڑ جائیں تو آئینے تکلیف دیا کرتے ہیں اور وہ اس مسخ شدہ شکل کے سامنے آئینہ رکھنے کی غلطی کر رہی تھی۔ وہ کیسے برداشت کرتا۔

"تم نے بھی تو یہی کیا ناں؟ سارے بدلے

www.zemtime.com

ضوفی سے نکالے۔"

"میری عمر جانتے ہو کتنی ہے؟ اس میں سے صرف وہ چند دن منہا کر دو جو فری سے پہلے تم مجھ سے ملتے رہے.. اس کے علاوہ کی زندگی میں میں نے جہنم جھیلے ہیں۔ اپنی زندگی کو عذاب کی طرح بھگتا ہے میں نے۔ میرے اندر اتنی آگ ہے کہ آج بھی قبر سے نکال کر ان کے مردوں کو جلا دوں جنہوں نے مجھے یہ دوزخ بخشے ہیں۔ میں ہوں ایسی اور تم تو سب جانتے تھے۔ تم سے بھی مسیحائی نہ ہو سکی بلکہ تمہارا رویہ میری زندگی میں خوشیوں کی خواہش کے تابوت کی آخری کیل ہے۔ تم نے سب سے بڑھ کر اذیت دی مجھے۔ کچھ نہیں دے سکے تو میری گود کو سونا کرنے کا حق کس نے دیا تمہیں؟ نہیں اسفند.. یہاں نہیں۔ میں روزِ حشر تمہارا گریبان پکڑوں گی۔"

"روزِ حشر میں دامن پکڑو گی کیا میں نے تمہیں دھوکا دیا؟ جھوٹ بولا؟ کیا تم اس سے بات سے آگاہ نہیں تھیں۔ دھوکا تم نے مجھے دیا۔ تم ضوفشاں کی ماں بن کر میری زندگی میں آئیں لیکن ایک دن، ایک لمحہ کے لیے اس کی ماں نہ بن سکیں۔"

وہ کمرے میں چلی آئی۔

اسفند نے اس کا وجود ہی بنجر کر دیا تھا۔ چند دن کی محبت نے اس کی پوری زندگی نگل لی تھی۔ اس وقت اگر اس نے وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا تو آج زندگی مختلف ہوتی۔ بلکہ وہ وقتی جذبہ کہاں تھا؟ وہ تو ایک مستقل درد تھا سینے میں جو آج بھی اپنی جگہ بدرجہ اتم موجود تھا۔

وہ مما اور فری کے بعد ڈیڈی سے بھی ناراض تھی۔ وہ اس کا خیال کیوں نہیں رکھ سکے تھے۔ اسفند سے شادی کے بارے میں سوچتے اس نے اندر کہیں یہ تہیہ کیا تھا کہ ایک دن آئے گا جب وہ فری کو اس کے ذہن سے کھرچ دے گی اور پھر اس کے ساتھ زندگی خوب صورت ہو گی۔

ایک عرصہ پہلے وہ رونا بھول چکی تھی۔ لیکن اسفند کا ضوفشاں کے لیے التفات اس کے سینے میں نیزے کی انی جیسا گڑ جاتا تھا۔ وہ اس آگ میں جلتی تھیں۔ دکھ پر حسد غالب آ گیا تھا لیکن آج وہ بڑے عرصے بعد اسی ٹوٹی پھوٹی نزہت کو محسوس کر رہی تھیں جس کا دل دکھا ہوا تھا۔ اب اس دکھ کے ساتھ بدن پر اتری خزاں کی تھکن بھی تھی۔ اسے علم ہی نہیں ہوا اور وہ رونے لگی تھی۔

بنا آواز کمرے کا دروازہ کھول کر ضوفشاں اندر آئی تھی۔ اس کے قدموں کے پاس بیٹھ کر اس نے نزہت کے ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے نہیں پتا فری ماما کیسی تھیں۔ میں نے تو آپ کو دیکھا ہے ماما اور میرے لیے فری ماما آپ سے زیادہ پیاری نہیں ہیں۔ آپ مجھے کیوں نہیں اپنی بیٹی سمجھ سکیں؟ مجھے بتا میں اتنے سالوں میں کبھی آپ کو مجھ پر پیار نہیں آیا؟ کبھی نہیں لگا میں آپ کی بیٹی ہوں؟"

وہ کہہ رہی تھی اور نزہت کو یاد آنے لگا تھا جب ضوفشاں چھوٹی تھی۔ وہ کسی کسی وقت اسے سینے سے لگا کر رویا کرتی تھی۔ اس کا منہ چومتی تھی۔ وہ کتنا ہی ناراض ہوتی ضوفشاں اس کی گود سے نکلنے کو تیار نہ ہوتی تھی۔ جب وہ کچھ بڑی ہوئی تو نزہت اس کے سامنے رو نہیں پاتی تھی۔

"ماما! آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"میری ماما کو کس نے مارا ہے؟ میں پاپا سے کہوں گی اس کی خوب پٹائی کریں۔"

کھوٹ اس کے اپنے دل میں تھا، بچی کیا جانتی تھی۔ وہی بچی آج اتنا کچھ ہو جانے کے بعد ایک بار پھر اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔ قسمت نے اس کے ساتھ جو کیا، وہ اس کا زہر سود سمیت اس لڑکی کی زندگی میں منتقل کرنے والی تھی۔ فری یہاں بھی جیت گئی تھی۔ نزہت کا زہر دم توڑ گیا تھا۔ وہ لڑکی محبت کا آبِ حیات بن کر اس کے سارے زخموں کی مسیحائی کر رہی تھی۔

"جو ہو گیا اسے بھول جائیں آپ نے مجھے بیٹی نہیں سمجھا مجھ سے نفرت کی لیکن میں آپ سے

www.zemtime.com

نفرت نہیں کرسکتی میں تو آپ کو ماں ہی سمجھتی رہی تھی۔" کیوں کیا آپ نے ایسا؟ وہ جانتے بوجھتے یہ سب پوچھ رہی تھی۔ نزہت کے پاس کسی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس عمر میں خود احتسابی اور سود و زیاں کے حساب بڑے مشکل ہو جاتے ہیں۔ حق پر ہوتے ہوئے بھی ان کھاتوں پر نظر کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے اور وہ تو پھر کلی طور پر حق پر نہیں تھی۔ آنسوؤں کی روانی میں شدت آ گئی تو اس نے ضوفشاں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیا۔

☆☆☆

کسی بھی شے کا خیال جتنی راحت دیتا ہے اسفند کی مسلسل تلاش سے خوف زدہ ہو کر وہ جب ضوفشاں کے اس گھر میں واپس آنے کا سوچتی تو ایک قیامت کا تصور ذہن میں آتا تھا لیکن ضوفشاں کے رویے نے ساری کہانی بدل دی تھی۔ وہ ہر وقت نزہت کے آس پاس رہتی، اسے چھوٹی چھوٹی باتوں میں مصروف کرنے کی کوشش کرتی۔ نزہت کو اس کی کوششیں سمجھ میں آتی تھیں اور اسے۔ اس نے کبھی اسے محبت کا اظہار کرنے کا اعتماد ہی نہیں دیا تھا اور اب اس کے ہر ہر عمل سے محبت پھوٹتی تھی۔

"ماما! آپ نے اس سال کوئی سوٹ نہیں سلوایا گرمیوں کا۔ چلیں کچھ شاپنگ کر کے آتے ہیں۔"

نزہت نے نہ نہیں کی تھی۔ محبتیں انمول ہوتی ہیں۔ محبت چاہے ماں باپ کی ہو، بہن بھائیوں کی ہو، اولاد کی یا شریکِ سفر کی۔ ساری محبتیں انمول ہوتی ہیں۔ اسے آج احساس ہوا تھا کسی ایک محبت کے سہارے زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ اگر مما یا فری اس سے محبت کرتی ہوتیں یا اس کے اپنے ڈیڈی.. تو اسفند کی ناقدری کا دکھ ایسا نہ ہوتا۔

ضوفشاں نے اپنے لیے کچھ نہیں لیا تھا۔ اسے خیال ہی نہیں آیا۔ کپڑوں کے بعد جوتے، ہینڈ بیگز اور جیولری۔ کتنا کچھ وہ خریدتی چلی جا رہی تھی۔

"میں اس عمر میں یہ سب کیا کروں گی؟ مجھے نہ کہیں جانا ہوتا ہے نہ..."

"تو آپ جایا کریں ناں۔ پاپا سے کہوں گی آپ کو کہیں لے کر جائیں یا ایسا کریں وبا کی صورتحال بہتر ہوتی ہے تو کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر چلے جائیں۔"

اسفند کی خواہش دل سے نکل گئی تھی اور وہ زندگی سے۔ پچھلے کتنے دنوں سے ان کا تعلق سرسری بات تک بھی نہیں رہا تھا۔ کبھی کبھی کسی کے ساتھ رہتے اسے منفی کر دینا بڑا سکون آمیز ہوتا ہے اور نزہت اب اسی سکون سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اسے سمجھ آ گیا تھا کیسے عورتیں طلاق کے بعد یا شوہر کے گزر جانے کے بعد اپنے بچوں کے سہارے زندگی گزار دیتی ہیں۔ بچے پیارے ہوتے ہیں اور ضوفشاں جیسی اولاد قسمت والوں کو ملتی ہے۔ آج وہ دعوے کے ساتھ کہہ سکتی تھی یہ لڑکی قدرت نے اسے دی تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں خوش تھی کہ قدرت نے اسے تلافی کا موقع دیا تھا۔

انہیں گاڑی سے نکلتا دیکھ کر اسفند ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ سالوں پہلے جب کالج میں نزہت کی اور اس کی دوستی ہوئی تھی۔ ان دنوں بھی وہ کھل کر نہیں ہنستی تھی اور اس کے بعد زندگی نے اور خود اس نے جو نزہت کے ساتھ جانے ان جانے کیا، اس نے کبھی اسے مسکراتے بھی نہیں دیکھا تھا کجا ایسے کھل کر ہنستے دیکھنا۔ وقت کی نقوش سازی اپنی جگہ لیکن چند ایک دن میں اس کا چہرہ بدل گیا تھا۔ بہاروں نے بڑی دیر کر دی تھی ان لبوں پر غنچے کھلانے میں۔ ان کے جانے کے بڑی دیر بعد تک وہ وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ آنے والے دنوں میں اس نے گھر کے دیوار و در تک میں تبدیلی محسوس کی۔ اب اس گھر میں دبی دبی ہنسی گونجتی تھی۔ ٹی وی پر چلنے والے ڈراموں کے اوقات میں خصوصی طور پر نشست ہوتی تھی۔ اونچی آوازوں میں تبصرے ہوتے تھے۔ یہ کون سی ہوا تھی جو سب بدلتی جا رہی تھی۔ ضوفشاں اس کے پاس بھی بیٹھتی تھی، اس کی بیٹی تھی لیکن آج کل معلوم نہیں کیوں وہ نزہت کی

www.zemtime.com

زیادہ سگی لگنے لگی تھی۔ جو بھی تھا، زندگی اب اتنی خشک نہیں لگتی تھی۔ یوں جیسے تازہ ہوا کا جھونکا برسوں بعد کسی ویران مکان میں خوشبوئیں بھر دے۔

☆☆☆

وہ آخری رات اعصاب پر بہت بھاری تھی جس کی صبح فری نے سی سیکشن کے لیے جانا تھا۔

"اسفند! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے سورج کی طرح میری سانسیں بھی ڈوب رہی ہوں۔" ہر تھوڑی دیر بعد وہ ذرا سے رد و بدل کے بعد یہی باتیں کر رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا یار۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ تمہیں پتا ہے دردزہ سے بچنے کے لیے کتنی ساری خواتین تو اپنی مرضی سے اس طرف چلی جاتی ہیں۔" وہ خود بھی ڈرا ہوا تھا لیکن اسے حوصلہ بھی تو دینا تھا ناں۔

فری نے جھرجھری لی۔ "تمہیں ایک بات بتاؤں؟ مجھے بھلا کس شے کا خوف ہے؟ مجھے نزہت کی خاموشی سے خوف آتا ہے۔ اس کی آنکھیں بڑی گہری لگتی ہیں۔ اسفند مجھے اس کی آہ لگنے سے ڈر لگتا ہے۔ میں سچ کہتی ہوں میں اس لیے تمہاری جانب نہیں آئی تھی کہ تمہیں اس سے چھین سکوں۔ میں تو بس.. مجھے تمہارے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اگر تم مجھے نہ ملتے تو میں مر سکتی تھی۔ شاید تم بھی یہ بات نہ سمجھ سکو لیکن نزہت تو بالکل نہیں سمجھ سکے گی۔ اسے لگے گا۔ میں نے اس کی ضد میں تمہیں اپنایا ہے، تمہیں جان بوجھ کر اپنی طرف راغب کیا ہے۔"

وہ اسے پہلے ہی بہت کچھ بتا چکی تھی۔ اسفند کے لیے اپنے جذبات.. بنا کسی لگی لپٹی نزہت کا سوتیلا ہونا اور اپنا رویہ۔ اس نے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ وہ ایسی ہی تھی صاف گو اور اپنے بھلے برے کو اون کرنے والی۔ خود اسفند چونکہ نزہت کے ساتھ ابھی تعلقات کے آغاز پر تھا تو تھوڑا بہت تو وہ بھی محسوس کر سکتا تھا۔ نزہت ایک جنگل جیسی تھی۔ اندر ہی اندر بہت ساری خوب صورتیوں سے مالا مال لیکن ان خوب صورتیوں کی تلاش میں نکلنا پڑتا تھا۔ اس تیزی کے دور میں کون رکتا؟ اور فری.. وہ ایک تند خو ندی جیسے سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہائے لیے جاتی تھی۔

اس نے اسفند کو رکنے اور ٹھہر کر سوچنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ بے بسی سے بہاؤ کے ساتھ بہتا رہا۔ وہ نزہت کا تڑختا محسوس کر سکتا تھا۔ شادی پر جس طرح وہ سرے سے ہی دکھائی نہیں دی تھی اور بعد میں گھر جانے پر جس طرح خاموشی سے انہیں دیکھتی۔ واقعی جھرجھری آ جاتی۔ کبھی کبھی لگتا تھا۔ اس نے بھی اس کے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن یہاں وہ خود کو تسلی دے لیتا کہ ان کے درمیان کوئی کمٹمنٹ نہیں تھی۔

"میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں اسفند! جو جان بوجھ کر کیا اور جو انجانے میں ہو گیا۔ گھر فون ملا کر مما سے کہنا کہ اس سے بات کروا دیں۔"

آنے والے کتنے سال اسفند کو اس نمبر ملانے کا دکھ رہنا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کیا اور جب نزہت کال پر آئی تو ریسیور فری کو تھما دیا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس کے بعد تم چاہو تو فون کروں گی ورنہ نہیں۔" ریسیور پکڑتے اس نے کہا تھا۔

اس کے بعد وہ نہیں بولی۔ کوئی معافی تلافی نہیں۔ کچھ اچھا برا نہیں۔ اس مختصر کال کے کٹنے پر اس نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

"وہ کہتی ہے، میں اس کے لیے مر چکی ہوں اور یہ کہ مجھے مر ہی جانا چاہیے۔"

اسفند کو غصہ آیا تھا اس بات پر۔ وہ اسی وقت فون کر کے اسے کھری کھری سنانا چاہتا تھا۔

اور جب اگلے دن آپریشن تھیٹر میں اس کے سارے خدشات سچ ہو گئے تو اس نے نزہت سے جی بھر کر نفرت محسوس کی تھی۔ اس سے شادی کرنے کا

www.zemtime.com

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن جیسے وہ اس کے سامنے آئی تھی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے بات کرتی، وہ زیر ہو گیا تھا۔

ذہن میں بڑی متضاد سوچیں تھیں۔ ضوفشاں کی فکر اور ایک خواہش کہ شاید وہ اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی کی ضوفشاں کو ماں کی محبت دے کر تلافی کرے۔ ایک نفرت کہ اس کا زندگی میں حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اسے سزا دے سکتا تھا۔ اپنی اور فری کی خوشیوں کو کھا جانے کی پاداش میں وہ اسے رلا سکتا تھا۔ سچ بات تو یہ کہ وہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا اسے کرنا کیا ہے۔ زندگی نے جو انتخاب اس کے سامنے رکھے تھے، ان میں سے کوئی بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ پھر جو ہوا ہوتا چلا گیا۔ بنا کسی منصوبہ بندی کے، بس ہو گیا۔

اور پھر فری کے ساتھ اس کمرے میں گزری رات بیس سال بعد دوبارہ زندہ ہو کر آ گئی۔ کمرے میں قرنطینہ ہوئے نزہت شاید اسی خوف سے گزر رہی تھی جس سے اس رات فری گزری تھی۔ فری کے لیے ایک رات تھی جبکہ یہاں چار راتیں گزر چکی تھیں۔ فری کے ساتھ وہ تھا جبکہ نزہت اکیلی تھی۔ ہر طرح سے اکیلی۔

اس نے ضوفشاں کو سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس اسٹور نما کمرے کے بند دروازے کے باہر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

"ماما۔۔ میں یہاں ہوں۔ آپ کے پاس ہوں۔ آپ نے پریشان نہیں ہونا۔ میں دعا کر رہی ہوں ناں آپ کے لیے۔"

"میں نے ہمیشہ اپنی بیٹی سے بہت پیار کیا ہے۔" بالکل ہموار لہجے میں کہا یہ جملہ اسفند نے بھی سنا تھا۔ اسے اس عورت کی برداشت پر حیرت ہوئی تھی۔

یہ دل کا معاملہ تھا اور دلوں کے معاملے عجیب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ساری عمر کی وضاحتیں بیکار جاتی ہیں اور بعض اوقات دل کا قفل لاکھ زنگ آلود ہونے کے باوجود یونہی ایک ذرا سے جھٹکے سے کھل جاتا ہے۔ اس کے دل کا قفل بھی کھل چکا تھا۔ ماسٹر کی سے تالا کھول کر وہ اس کمرے میں چلا گیا۔

"قدرت نے دو بار ہمیں موقع دیا لیکن ہمارے مقدر میں ایک ساتھ زندگی گزارنا نہیں لکھا تھا۔۔ شاید ایک ساتھ مرنا لکھا ہو۔"

☆☆☆

کمرے کے کسی کونے میں رکھا ہوا دیا جیسے پورے کمرے کو مدھم ہی سہی لیکن روشنی سے بھر دیتا ہے ضوفشاں کی موجودگی نے بھی گھر کو ایسے ہی بھرا ہوا تھا۔ وہ کسی آسمان کا چاند تھی، سب محسوس کر سکتے تھے لیکن اس کے باپ کو دیکھ کر فصیح حیدر کو کوئی تشبیہ نہیں سوجھی تھی۔ ضوفشاں کو اس جیسے باوقار شخصیت کے مالک انسان کی بیٹی ہونا ہی سجتا تھا۔ اس کا جانا اس گھر پر ایسا سانحہ تھا کہ کتنے دن تک دروازے پر آئی پولیس سے ہونے والی بدنامی کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ محلے والیاں اماں سے پوچھتی تھیں۔

"وہ تیرے کسی بھائی کی بیٹی نہیں تھی، تو نے جھوٹ بولا زبیدہ۔" اور اماں کو ماننے میں کوئی عار نہیں تھا۔

"ایسے سچ کا کیا کرنا جو کسی کی عزت یا زندگی کو خطرے میں ڈالے۔ ایسا سچ تو فساد ہوا ناں۔ تو جو مجھے ٹھیک لگا، میں نے کر لیا۔" وہ مطمئن تھیں۔

دروازے پر باپ کو دیکھ کر جو اس کی حالت ہوئی تھی اور جیسے وہ جا کر باپ سے لپٹی تھی، ان کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

"رب کسی دھی، پت کو ماں باپ کی ایسی جدائی نہ دکھائے۔"

جانے والی ایسی گئی کہ ان کا گھر خالی کر گئی تھی۔ فصیح حیدر کے لیے سارے موسم دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔۔۔ جب وہ یہاں تھی اور جب وہ یہاں نہیں تھی۔

اک ہجر کا موسم، اک تیری یاد کا موسم
ملتے ہیں تو بن جاتا ہے برسات کا موسم

www.zemtime.com

زندگی کا شعور کہتا تھا کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔ لوگ ملتے ہیں، بچھڑ جاتے ہیں۔ زندگی گزر جاتی ہے۔ سب ٹھیک ہے لیکن یہ حقیقت بھی جانتا تھا۔ زندگی کے وہ معنی بھی نہیں رہتے۔ وہ جا کر بھی وہیں تھیں۔ اس کے جانے کے بعد یہ دوسری عید گزری تھی اور اماں ابھی تک بات بات پر اسے یاد کرتی تھیں۔

"اتنا سوہنا قرآن پڑھنے لگی تھی۔ اتنے شوق سے تو آج تک میری اپنی اولاد نے نہ پڑھا، جتنی چاہ سے وہ کلام پاک کھولتی تھی۔"

"بڑی بھولی اور معصوم روح تھی۔ جہاں بھی ہو اللہ اسے خوشیاں دے۔"

نوریہ اسے اور اس کے کپڑوں کو یاد کرتی۔ عید کے بعد اس نے مشکل سے اس کا دیا سوٹ دو ایک بار پہنا تھا اور پچھلی عید تک تو اماں بھی منتظر تھیں کہ شاید وہ آئے لیکن اسے نہیں آنا تھا سو وہ نہیں آئی۔

زندگی ان کے لیے بھی یہاں رکی نہیں تھی۔ فصیح کی سرکاری نوکری لگ گئی تھی۔ دفتر میں کام زیادہ نہیں تھا اس لیے بڑی آسانی سے اس نے شام کی کلاسز میں ایم بی اے کے لیے داخلہ لے لیا تھا۔ صحن کا ایک حصہ پکا ہو گیا تھا اور باورچی خانے کو باقاعدہ بنوا لیا گیا تھا۔ بظاہر سارے معاملات ٹھیک چل رہے تھے لیکن سب جانتے تھے، کہیں کچھ کمی ہے بلکہ جانتے تھے کہ کس کی کمی ہے۔

سامعہ چھوٹی تھی لیکن بے جھجک اس سے بات کرتی تھی۔ عید کا تیسرا دن تھا اور فصیح جامن کے درخت کے پاس چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ عشاء کی اذان ہونے والی تھی۔ سامعہ آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"میں ایک بات سوچ رہی تھی بھایا۔"

"ہوں بولو۔" فون بند کر کے اس نے تکیے کی دوسری جانب رکھا۔

"وہ ایک تھی.. پھر بھی ہم سب اس کی کمی محسوس کرتے ہیں، آج بھی اسے یاد کرتے ہیں۔ ہم اتنے ہیں.. کیا وہ بھی ہمیں یاد کرتی ہوگی؟"

"بھولتا تو کوئی بھی نہیں ہے لیکن یاد کرنے کے انداز بدل جاتے ہیں، معنی بدل جاتے ہیں۔"

دل میں درد کی ایک لہر اٹھی تھی۔ کتنا مشکل ہوتا ہے خود کو یہ بتانا کہ کہیں ہم اہم نہیں رہے۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" وہ ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ رکھے پوچھ رہی تھی۔

"تمہیں یاد ہے، کچھ سال پہلے جب ہم ابا کے دوست کے گاؤں گئے تھے اور تم ان کی بکری کا بچہ لینے کے لیے مچل گئی تھیں؟"

سامعہ کو ہنسی آئی تھی۔ "یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ اماں کے منع کرنے پر میں کتنا روئی تھی اور کیسے ابا کے بازو سے لٹکتے ہوئے اسٹاپ تک آئی تھی۔"

"وہ بکری اور اس کی محبت یاد ہے؟"

اس سوال پر سامعہ چپ رہ گئی تھی۔

"ہم بھی کہیں نہ کہیں اسے یاد ہوں گے اور وہ ان دنوں کو یاد کر کے جانے ہنستی ہو کہ کیا دن تھے جب اس کچے مکان میں اسے رہنا پڑا۔"

یہی سوچ اور یہی باتیں تھیں جو فصیح کو اس کی جانب قدم بڑھانے سے روکتی تھیں۔ مجبوری میں اگر اسے چند دن یہاں قیام کرنا پڑا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہنسی خوشی ساری زندگی یہاں گزارنے پر راضی ہو جائے گی۔ مجبور اور آزاد شخص کے فیصلوں میں فرق ہوتا ہے اور فصیح کے پاس تھا ہی کیا۔ چند چور نگاہیں، چند جھینپی مسکراہٹیں اور جگنو جیسے چند الفاظ۔ وہ کیسے اس کی تلاش میں نکلتا کہ یہ جگنو اسے منزل تک پہنچا بھی دیتے تو اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ آگے ملنے والی کی مرضی ابھی بھی وہی ہوگی جو اس وقت تھی جب وہ یہاں تھی۔

جب اس کا باپ اسے یہاں سے لے کر گیا تھا تو اس نے اپنا کارڈ دیا تھا۔

"میں آپ کا مقروض ہوں اور یہ قرض کسی طرح بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود میں اگر آپ لوگوں کے کسی کام آ سکا تو مجھے خوشی ہوگی۔ امید

www.zemtime.com

کرتا ہوں ایک بار تو مجھے خدمت کا موقع ضرور دیں گے۔"

وہ کارڈ ابھی بھی اس کے والٹ کے کسی خانے میں موجود تھا۔ نہیں تھا تو یقین۔ اسے ایک بار تو مڑ کر دیکھنا چاہئے تھا لیکن اس نے شاید بھلا دیا تھا اور جو بھول جانا چاہے۔ اسے بھولنے کی آسانی دینے سے اپنے لیے آسانی ہوتی ہے۔

☆☆☆

ستمبر کے بے رونق دنوں میں یونیورسٹی سے واپس پر وہ گھر نہیں گئی تھی بلکہ ان راستوں کو کھوجنے لگی تھی جہاں کبھی منزل کا شائبہ محسوس ہوا تھا۔ نیا لے سے دنوں میں ابھی تپش جاتی تھی۔

پچھلے ہفتے ماما بتا رہی تھیں کہ پاپا کے ایک کاروباری دوست اس کے رشتے کے لیے گھر آنا چاہتے تھے۔ جلد یا بدیر یہ وقت آنا ہی تھا لیکن اسے لگا جیسے یہ سب اچانک ہو گیا ہو۔ ماما نے اس سے پوچھا تھا "اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو بتا دو۔ نہیں تو انہیں بلا لیں؟"

اور وہ چپ بیٹھی رہی۔ پاپا نے کتنی بار اس سے کہا تھا "جب نزہت نے مجھے کہا کہ تم کسی لڑکے کے لیے گھر چھوڑ گئی ہو تو میں نے کہا فوفشاں میری بیٹی ہے۔ وہ ایسا کچھ کر ہی نہیں سکتی۔"

اب معلوم نہیں "ایسا کچھ" سے ان کی کیا مراد تھی لیکن وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کہہ سکی۔ کہتی بھی تو کس بل پہ؟

اتنا وقت گزر گیا، ان میں سے کوئی اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد کتنا وقت تو اسے سب سیٹل کرنے میں لگ گیا تھا اور پھر ایک اور بات بھی تھی۔ اماں نے ایک بار اس سے کہا تھا۔

"ہم غریب لوگ ہیں اور ہمارے پاس بس عزت ہی ہے۔ ہم تمہیں عزت دیں گے لیکن تم ہمیں بے عزت نہ کرنا۔"

ان کے دروازے پر پولیس کا مطلب وہ سمجھتی تھی۔ پھر جب وہ اس گھر سے باہر نکلی تو ارد گرد لوگوں کا ہجوم تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوا تھا۔ وہ انہیں بے عزت کر کے آئی تھی۔ وہ کیسے ان کے پاس واپس جا سکتی تھی۔

اب اتنا وقت گزر چکا تھا۔ زندگی آگے بڑھ چکی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ ان کی زندگی کا وہ باب بن گئی ہو جسے کوئی بھی دہرانا نہ چاہتا ہو۔ ایک سے بڑھ کر ایک اندیشے تھے۔

تب اس نے ماما کو بتایا تھا۔

"ہو سکتا ہے، تمہاری امارت سے متاثر ہو کر..."

"نہیں ماما! ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ میرا بیگ... اس میں جیولری تھی اور کیش بھی۔ اتنے دن وہاں رکھا رہا، کسی نے دیکھا تک نہیں۔ ماما وہ اور طرح کے لوگ ہیں۔"

"اور تمہیں لگتا ہے جس طرح کے وہ لوگ ہیں تم وہاں خوش رہ سکو گی؟"

اس نے اقرار میں گردن ہلائی تھی۔

"تو پھر تم خود وہاں جا کر دیکھ سکتی ہو کہ وہاں تمہاری جگہ ہے بھی یا وہ موو آن کر چکا ہے۔ زندگی کے ساتھ زہریلے تجربے نہیں کرتے۔ ایک بار کوشش ضرور کرتے ہیں اپنی خوشی کے لیے۔"

اور پھر وہ لوٹ آئی تھی اسی لباس میں جو اسے اماں نے عید پر بنوا کر دیا تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہونے میں ایک جھجک مانع تھی لیکن جب وہ اندر داخل ہوئی تو اسے پتا چلا اس گھر میں وقت رک رک کر چلتا تھا۔ اب بھی سب وہیں پر ٹھہرا ہوا تھا۔

گھر میں آنے والی چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں سے قطع نظر گھر والے سب ویسے ہی تھے۔ ایک بار پھر اس گھر کے مکینوں نے اسے خوش آمدید کہا تھا اور پہلے سے زیادہ گرم جوشی سے گلے لگایا تھا۔ وہ صحن میں جامن کے پیڑ تلے بچھی پان کی چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ شمسہ اور نوریہ تو ایسے ملی تھیں جیسے سگی بہنیں ہوں۔

"ہم سب نے بہت یاد کیا تمہیں۔ ہمیں لگا تم

www.zemtime.com

ہمیں بھول گئی ہو۔"

"اماں نے تو پچھلی عیدوں پر آپ کے لیے سوٹ بھی بنوا کر رکھے تھے۔"

سامعہ کے کہنے پر اماں نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ "اس عید پر بھی بنوانا ہے۔ مجھے پتا تھا میری بیٹی آئے گی ضرور۔"

اسے لگا ہی نہیں وہ کبھی وہاں سے گئی بھی تھی۔ شمسہ اور نوریہ کے ساتھ مل کر اس نے کھانا بنانے میں مدد کی تھی۔ دھیان سارا اس کی طرف تھا جس کا کسی نے نام تک نہیں لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آرام کا بہانا کر کے اسی کمرے میں چلی آئی تھی جو کبھی اس کے استعمال میں رہا تھا۔

سب کچھ ویسے کا ویسے تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ بستر پر بیٹھی تو کھڑکی کی سلاخوں میں ابھی تک ان نگاہوں کا لمس موجود تھا جن سے نال تمتمانے لگتے تھے اور جن کے شوق سے پلکیں بوجھل ہو کر جھک جاتی تھیں۔

آئینہ دیکھ کر اسے لگا جیسے وہ کتنے وقت سے کسی قدیم کہانی کے کردار کی طرح اس میں مقید ہے۔ آئینے میں کہیں وہ عکس بھی سانس لیتا تھا جسے اس نے چھوا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا اسے یہاں سے کہیں نہیں جانا تھا۔

☆☆☆

فصیح حیدر کے پاس دروازے کی چابی تھی لیکن اسے اچھا لگتا تھا جب اس کی دستک پر بہنیں بھاگی آتی تھیں۔ سامعہ نے دروازہ کھولا تو ہمیشہ کی طرح رک کر حال چال پوچھنے کے بجائے فوراً باورچی خانے کی طرف بھاگ گئی۔ ذرا کی ذرا حیرت ہوئی تھی لیکن پھر باآواز بلند سلامتی بھیجنے کے بعد وہ اماں اور ابا کے پاس کمرے میں چلا گیا۔

"جا میرا پتر! پہلے کپڑے بدل لے۔ پانی پی پھر کھانا کھاتے ہیں۔"

وہ ان کے پاس سے اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ کھلے دروازے پر نیلا جالی دار پردہ پڑا ہوا تھا اور زیرو پاور کے بلب کے ساتھ کمرے کا پنکھا چل رہا تھا۔ اب وہ زیادہ حیران ہوا تھا کہ گھر میں کوئی بھی اتنا لاپروا تو نہیں تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے اس نے گلے سے نکلائی نکالی اور ساتھ ہی بتی جلا دی۔

گزرے سالوں میں اس نے کتنی بار اسے یہاں اس گھر میں اس کمرے میں چلتے پھرتے ہوئے تصور کیا تھا لیکن یہ تصور کبھی اتنا مضبوط نہیں ہوا تھا کہ مجسم دکھائی دے۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ ایک جھمکا کان میں تھا اور دوسرا وہ ہاتھ سے نیچے گرا بیٹھی تھی۔ ضوفشاں نے وہ جھمکے پیک میں رکھے تھے اور اب پہن کر چیک کرنے لگی تھی کہ اگر وہ اسے ان جھمکوں میں دیکھے تو وہ کیسی لگے گی اور وہ نکلائی ہاتھ میں پکڑے حیرت سے اسے تک رہا تھا۔ ضوفشاں نے پہلی بار اسے پینٹ شرٹ میں ایسے تیار دیکھا تھا۔ بال کچھ کچھ بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر اشتیاق اور غیر متوقع خوشی کے عکس اتنے پیارے تھے کہ وہ دیکھتی چلی گئی۔

"نظر لگا دیں گی آپ۔" مسکراتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہتے وہ آگے بڑھا تو ضوفشاں کی نگاہ از خود جھک گئی۔ نیچے بیٹھ کر اس نے جھمکا اٹھایا تو ضوفشاں نے جھکے سر کے ساتھ ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا۔

"کیا؟" وہ انجان بنا پوچھ رہا تھا۔

"میرا جھمکا۔"

جس مان سے اس نے "میرا جھمکا" کہا تھا، فصیح حیدر کا دل جھومنے لگا تھا۔ تو یہ معمولی سے جھمکے اس نے یونہی تو سنبھال نہیں رکھے تھے۔

"پہلے میری چیزیں لوٹائیے جو جاتے جاتے یہاں سے لے گئی تھیں۔"

"یہ جھمکے میرے ہیں۔ یہ تو واپس نہیں ملیں گے۔"

"اور میرا سکون؟"

دھڑکنیں منتشر کرتا گمبھیر لہجہ ضوفشاں کے گالوں

www.zemtime.com
ZEM Time SINCE 2014

پر لالی بکھیر گیا۔

"اتنا عزیز تھا تو تلاش میں نکلتے۔ اب نہیں ملنے والا۔"

"میں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔"

"کریں وعدہ۔" بڑی برجستگی سے جواب آیا۔ فصیح کھل کر ہنسا تھا اور اس کے لبوں پر بھی شرمگیں مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"وعدہ۔۔ یہ جھمکا اب میں خود اس وقت پہناؤں گا جب مجھے حق حاصل ہوگا اور تب تک یہ میرے پاس رہے گا۔ ڈن کریں؟"

اور یہ جھمکا نہیں تھا۔ یہ پہلے فصیح کا دل تھا جو وہ لے گئی تھی اور اب ضوفشاں کے وجود کا حصہ تھا جو فصیح نے رکھ لیا تھا۔

☆☆☆

رمضان کا آخری عشرہ شروع ہونے کو تھا۔ ضوفشاں نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اماں اعتکاف پر بیٹھنے والی ہیں اس لیے وہ دونوں ضوفشاں کی عیدی دینے جا رہے تھے۔ اس رشتے میں نزہت کا بڑا ہاتھ تھا۔ اسفند ہچکچا رہا تھا۔

"میں نے دیکھا ہے وہ گھر اور وہ لوگ۔ وہاں کوئی آسائش نہیں ہے الٹا ڈھیر پریشانیوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔" سچ بات تو یہ کہ وہ بے یقین تھا یہ بڑے بچپنے کی بات لگ رہی تھی اور بے وقوفی کی بھی۔

"میں آسائشوں والے گھر میں رہ کر بھی خوش نہیں رہی اور تم بھی۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ ہمارے درمیان محبت نہیں تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور یہ کوئی وقتی کشش نہیں ہے۔ تین سال ہو چلے ہیں۔ وقتی معاملہ ہوتا تو ختم ہو جاتا کہ ان کا تو رابطہ بھی نہیں تھا۔ ہم نے اپنی زندگیوں کو اپنے کلیہ سے جیا ہے۔ اب یہ زندگی ہماری نہیں ہے۔ اسے اپنی زندگی پر اتنا تو حق ملنا ہی چاہیے۔"

بات جو بھی تھی، یہ اس کا لہجہ تھا جس میں ٹھہرے ہوئے سکون نے اسفند کو پرسکون کر دیا تھا۔ عمر کے اس حصے میں اسے نزہت کے دکھ کا احساس ہوا تھا۔۔ اب بھی لائٹ براؤن جدید طرز کے شلوار قمیص پر دوپٹہ سلیقے سے کندھوں پر پھیلائے وہ بہت گریس فل لگ رہی تھی۔ وقت کے سارے ستم سہہ لینے کے بعد بھی وہ اپنی عمر سے کہیں کم نظر آتی تھی۔ شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس نے اسفند کی نگاہوں کا خود پر رکنا محسوس کیا تھا اور ان نگاہوں میں ایک تعجب آمیز احساس تھا اور کچھ ستائش بھی۔

"میرا پرفیوم تو نکال دو۔" جان بوجھ کر وہ اسے اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں میں الجھاتا تھا۔

نزہت نے اس کا پسندیدہ پرفیوم نکال کر ڈریسنگ میز پر رکھا اور جانے کے لیے مڑی۔ اس نے نرمی سے اسے کلائی سے پکڑ کر روکا اور اپنے عین سامنے کھڑا کر لیا۔

"وقت لمحے سیل رواں میں خس و خاشاک کی مانند بہتے۔ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ اک تمہیں اب سوچتا ہوں تو کالج کے گراؤنڈ میں گھاس کو نرمی سے سہلاتی لڑکی یاد آتی ہے۔ مجھ سے بہت کچھ غلط ہو، شاید..... ہی غلط ہوا لیکن اس میں اکیلا ہی قصوروار نہیں تھا۔ تمہارے رویے کا بھی دخل تھا۔ ضوفشاں کے ساتھ تمہارا جو رویہ تھا اس نے میرے دل میں تمہاری جگہ بننے ہی نہیں دی۔ جب جب میں نے تمہاری طرف بڑھنے کی کوشش کی تم کوئی ایسی بات کر دیتیں کہ میرے جذبات سرد پڑ جاتے۔ میں نے تمہارے رویے پر تمہیں کبھی نہیں ٹوکا بس ضوفشاں کے سلسلے میں کبھی تم پر اعتماد نہیں کیا۔ جہاں اعتماد نہ ہو، وہاں محبت کیسے پنپ سکتی ہے۔ اور پھر تم نے ثابت کر دیا کہ میری سوچ غلط نہیں تھی۔ تم نے موقع ملتے ہی ضوفشاں کے ساتھ وہ کیا جو کوئی دشمن بھی کرتے ہوئے سو بار سوچتا۔ لیکن شاید یہ میرے اس ظلم کا ردعمل تھا جو میں نے تمہیں ماں بننے کے حق سے محروم کر کے

www.zemtime.com

کیا۔ اسفند غلط نہیں کہہ رہا تھا لیکن غلط وہ بھی نہیں تھی، اس نے حسد اور نفرت کے جذبے ہی پائے۔ وہی لوٹا دیے۔ اس نے نفرت کو نفرت سے شکست دینا چاہی اگر وہ نفرت کو محبت سے شکست دیتی تو شاید آج خالی ہاتھ نہ ہوتی۔ اسفند نے اسے ماں بننے کے حق سے محروم رکھا تو اس نے بھی اولاد کا دکھ دینا چاہا۔

لیکن اب یہ سب سوچنا بے کار تھا۔ اب دونوں عمر کا ایک بڑا حصہ گزار چکے تھے۔ قدرت نے جو کچھ مقدر میں لکھا تھا اسے بھگت چکے تھے۔

"میں نے ہمیشہ تم سے محبت کی لیکن اپنے جذبوں کا صحیح اظہار نہ کر سکی اور تم مجھے نہ سمجھ سکے ورنہ میری ایک محبت بھی کافی ہو سکتی تھی۔ بہر حال اب چلو، ضوفشاں انتظار کر رہی ہوگی۔"

☆☆☆

موسم بڑا خوش گوار ہوا تھا۔ آسمان پر بادل تھے اور ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ نزہت اور اسفند کے جانے کے بعد ضوفشاں اپنے حصے کا کام نمٹا کر کمرے میں آئی تو فصیح ابھی مسجد سے نہیں آیا تھا۔ وہ نزہت اور اسفند کی لائی چیزیں ٹھکانے پر رکھنے لگی۔ زندگی میں سب پیارا تھا لیکن ایک گرہ دل میں ماما اور پاپا کے حوالے سے ہمیشہ تکلیف دیتی تھی۔ بظاہر مسکراتے اور ایک دوسرے سے بات کرتے وہ ایلیٹ کلاس کا کوئی مطمئن اور خوش جوڑا دکھائی دیتے تھے لیکن یہ ضوفشاں جانتی تھی کہ یہ سب کتنا مصنوعی اور جھوٹا ہے۔

"دعائیں پوری ہوتی ہیں؟" اس رات سونے سے پہلے وہ فصیح سے پوچھ رہی تھی اور فصیح کو وہ لڑکی یاد آ گئی تھی جسے دل نے ایک بار دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کی خواہش کی تھی اور اس خواہش نے اسے کتنا تھکایا تھا۔

"میرا تو ایمان ہے، دعاؤں کے ساتھ جو خواہشیں ہوں۔ وہ بھی بنا کہے مل جاتی ہیں۔"

اسے سب مل چکا تھا اس کا محبتوں سے چور لہجے میں یہی کہنا بنتا تھا۔

"آپ تو یہی کہیں گے۔"

تو فصیح نے اسے اماں کے نگاہ کے قلعے سے لے کر اس لڑکی کے بیوی بننے تک کا قصہ سنایا تھا۔ وہ حیرت سے دم بخود بیٹھی تھی۔

تمہیں دیکھ کر دل میں شعلہ سا لپکا تھا لیکن اس شعلے سے خوشیوں کا گل زار بننے میں جو وقت لگا، اسے پراسس کا نام دیا جا سکتا ہے۔ دعا کرنے اور قبول ہونے کا درمیانی وقفہ۔ کبھی یہ مختصر ہوتا ہے کبھی طویل۔"

اور ضوفشاں فصیح کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ نزہت اور اسفند کے لیے یہ وقفہ طویل ہو گیا تھا۔ وہ ان کے لیے دعا کر سکتی تھی۔

ایک معافی، ایک توبہ یا درگزر کا کوئی ایک لمحہ کبھی کبھی سارے زخموں کا مرہم بن جاتا ہے اور آنے والی رتوں میں خوشیوں کے کھلنے والے گلابوں کا بیج بھی۔ اسے دعا کرنی تھی کہ نزہت ملال رفتگاں میں مبتلا رہنے کے بجائے زندگی کے دامن سے اپنے حصے کی خوشیاں اکٹھی کر سکے۔

ابھی اسے معلوم نہیں تھا کہ چاند رات کو جب اسفند اسے عمرے پر جانے کی خوش خبری سنائے گا اور آنے والے سالوں میں ان کی قسمت میں ایسے دن بھی ہوں گے جب وہ ضوفشاں کے بچوں کو گھر رہنے کے لیے لائیں گے اور نزہت ایک بار پھر زندگی کی تھکن بھلائے ان کے من پسند کھانے بنائے گی۔ انہوں نے زندگی میں مشکلات کے سوا دیکھا ہی کیا تھا۔ ابھی تو قسمت نے ان کی ساری بہاریں انہیں لوٹانی تھیں۔ ابھی وہ وقت تھوڑا دور تھا اور تب تک ضوفشاں کو صرف دعا کرنی تھی۔

☆☆

www.zemtime.com